روسی ظرافت

مسلم ضیائی

اردو محل
حیدرآباد دکن

۱۶۱۱۲

طبع اول

(۱۰۰۰)

۱۹۴۴ء

قیمت :- عہ کلدار — عہ/ سکۂ حالی

مسلم ضیائی ایم۔ اے (عثمانیہ) نے مکتبۂ ابراہیمیہ پریس میں چھپوا کر

اردو محل

معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن سے شایع کیا

کرشن چندر کے نام

جو

"شکست" کے بعد بھی محبّت کو حماقت نہیں سمجھتا

فہرس

پیش لفظ

ہنسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انسان کی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ اگرچہ ساتھ ہی اس قول میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ زیادہ ہنسنا افسردگی اور پژمردگی طاری کردیتا ہے اس لئے حقیقی ظرافت وہی ہے جس سے انسان کو مسرت حاصل ہو سکے اور مسکراہٹوں کے "آب حیات" سے زندگی حسین ہو کر طویل تر ہو جائے۔

جس طرح کسی مریض کا علاج کر کے اسے صحت بخشنا ایک بڑی خدمت ہے اس طرح کسی غمگین افسردہ اور مضمحل شخص کو ہنسانا، خوش کرنا اور اس میں زندہ دلی پیدا کر دینا بھی ایک بڑی خدمت ہے زندگی میں رلانے کا "فرض" انجام دینے کے لئے "اکثر حضرات" موجود رہتے ہیں لیکن ہنسانے کی "خدمت" بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ظریفوں اور ہنسانے والوں کا نام زبان پر آتے ہی ہونٹ مسکرانے لگتے ہیں، اور ان لوگوں کی تحریریں یا ذکر کے خیال میں گدگدی ہوتی

پیش لفظ

اور دل میں مسرت کی لہریں سی دوڑنے لگتی ہیں۔

ہنسی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی اِلّا اس کے کہ خود انسانی فطرت میں کوئی ایسی انقلاب انگیز تبدیلی پیدا ہو جائے جس کے بعد انسان اپنے احساسات سے بیگانہ ہو کر جمادات کے مانند ۔۔۔ خاموش، ساکن اور بے روح زندگی بسر کرے۔

ہر شخص کی زندگی میں خواہ وہ میر جیسا قنوطی ہی کیوں نہ ہو کسی نہ کسی وقت ایسے لمحے ضرور آتے ہیں جب اس کا دل مسکرانے اور گنگنانے لگتا ہے دنیا میں کوئی قوم اور کوئی جماعت ایسی نہیں گذری جس میں ہنسانے والوں نے اپنے ساتھیوں کو ہنسانے اور مسرور کرنے کی خدمت انجام نہ دی ہو۔ رونے والے کا ساتھ بہت کم لوگ دیتے ہیں لیکن ہنسنے والے کے ساتھ ساری دنیا ہنستی ہے۔

خلاق عالم نے ایسی کوئی شے نہیں پیدا کی جسے انسان اپنی کوشش اور مسلسل محنت سے حاصل نہ کر سکے لیکن جس طرح سے ہر پتھر ہیرا نہیں ہو جاتا خواہ وہ کیسا ہی قیمتی کیوں نہ ہو یونہی ہر شخص ظریف بھی نہیں ہوتا۔

روس نے انقلاب ۱۹۱۷ء کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کی لیکن یہ انقلاب ہوا کیسے اور اس کا باعث کون لوگ تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس انقلاب کا باعث لینن اور ٹراٹسکی سے زیادہ وہ روسی ادیب تھے جنھوں نے جلاوطنی، قید بامشقت اور جلاد کی تلوار کا سامنا کیا اور مرنے سے پہلے ایسی تحریریں چھوڑ گئے جنھوں نے اہل ملک میں آزادی کی لگن پیدا کر دی اور افراد

کے دلوں کی آگ نے مجتمع ہو کر زار اور زاریت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ان ادیبوں میں ٹالسٹائی جیسے سنجیدہ ناول نگار بھی تھے اور شیدرن جیسے طنز نگار بھی۔

دنیا کی دوسری زبانوں کے مانند اردو میں بھی روسی ادب کا ایک معتد بہ حصہ منتقل ہو چکا ہے لیکن اب تک روسی ظرافت کی طرف توجہ نہیں کی گئی تھی۔ میں نے اس مجموعہ میں روس کے نمائندہ ظریفانہ ادب کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ترجمہ بذات خود ایک آرٹ ہے اور ترجمہ کرنا تصنیف کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے تصنیف کرتے وقت آپ کے خیالات خود بخود الفاظ کا روپ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ترجمہ کرتے وقت مترجم کو مصنف کے دماغ سے سونچنا پڑتا ہے اور وہ اپنے مقرر کئے ہوئے اور جانے بوجھے راستے پر چلنے کے بجائے دوسروں کے مقرر کئے ہوئے اور اکثر اوقات نامعلوم راستہ پر چل کر منزل پر پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر زبان کا قوام دوسری زبان سے مختلف ہوتا ہے اور اسی طرح ہر ادیب کا پیرایہ بیان بھی اپنی انفرادیت رکھتا ہے طنز اور ظرافت میں لہجہ اور الفاظ کی ذومعنویت سے بڑا کام لیا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی زبان کی شاہکار ظرافت کا دوسری زبان میں ایسا ترجمہ کرنا جس سے اصل کا لطف باقی رہے نہایت مشکل کام ہے۔

پیش لفظ

موجودہ کتاب کے ذریعہ اردو زبان میں روسی ظرافت کے چند عمدہ نمونے پیش کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے مصنفین کے تفصیلی حالات اس لئے نہیں لکھے گئے کہ تصنیف خود ہی پکار پکار کر مصنف کی نفسیاتی کیفیات کا اظہار کرتی ہے۔ پھر بھی اگر مصنفین کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو پروفیسر محمد مجیب کی تالیف "روسی ادب" کا مطالعہ کرنے کی سفارش کی جاتی ہے جسے لکھ کر موصوف نے اردو ادب کی واقعی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔

"دیوانے کی ڈائری" گوگول کی مشہور تصنیف ہے۔ گوگول (سنہ ۱۸۰۹ء سنہ ۱۸۵۲ء) روس کا وہ بڑا مصنف ہے جو قدیم یونانی اور لاطینی اور معاصر جرمن اور فرانسیسی ادب کو خاطر میں نہ لاتا تھا" دیوانے کی ڈائری" ایک خیالی خاکہ اور ظرافت کا ایک دلچسپ نمونہ ہے۔ جو تاسف انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ مضحک بھی ہے۔ اس میں ایک ایسے محرر یا اہلکار کی حالت بیان کی گئی ہے۔ جو جھڑکیوں اور ذلتوں کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کا دماغی توازن ایک حسین لڑکی سے محبت کے باعث بگڑ جاتا، اور انجام دیوانگی پر ہوتا ہے۔ گوگول نے اپنی ظرافت کو ایک مرتبہ "آنسوؤں میں قہقہے" سے تعبیر کیا تھا۔ "دیوانے کی ڈائری" اس کے اس قول کی ایک اچھی مثال ہے۔"

"عقاب" اور "خرگوشیت" سالتی کوف یا "شچیدرن" سے لئے گئے ہیں جو کالج سے فارغ ہوتے ہی ایک ناول "جھمیلا" لکھنے کے الزام میں

پیش لفظ

سات سال جلا وطن رہا۔ اس کے بعد چونکہ ملازمت اس کی طبیعت اور مزاج کے خلاف تھی اس لئے زندگی تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دی۔ وہ روس کا سب سے بڑا طنز نگار رہے۔ روسیوں کو بیدار کرنے اور قومی جسم سے فاسد مادے کو دور کرنے میں پچاس سال تک اس کا قلم نشتر کے مانند چلتا رہا۔ اس نے اپنے عہد کے تمام عہدیداروں اور سرکاری ادیبوں کو تضحیک اور طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ "خرگوشیت" اور "عقاب" میں محکمہ احتساب کے اندیشے سے اس نے وہ مشرقی طرز اختیار کیا ہے جس میں جانوروں اور پریوں کی کہانیاں لکھی جاتی ہیں اور جذبات و احساسات کا اظہار تمثیلی پیرایہ میں کیا جاتا ہے۔ خرگوشیت میں کسی وحشیانہ نظام حکومت کے تحت وفاداری کا مذاق اڑایا ہے۔ اور عقاب میں خود زار اور اس کے دربار کا نقشہ کھینچکر تمام درباریوں کے کردار مختلف جانوروں کی حیثیت میں پیش کئے گئے ہیں۔

"مگر مچھ" داستوایفسکی نے لکھا ہے۔ داستوایفسکی "احمق" اور "جرم و سزا" جیسی عظیم الشان تصانیف کا مصنف اور "پاگل خانے کا شکسپیر" کہلاتا ہے۔ اس کا بچپن ایک افسردہ، مایوس اور مغموم فضا میں گذرا تھا۔ جوانی میں اسے سائبیریا کی سیر کرنی پڑی اور اس وقت جلا وطنی کا حکم ملا جب کہ گولی مارے جانے میں شاید چند ہی لمحات اور باقی تھے۔ اس واقعہ نے اس کا دماغی توازن بگاڑ دیا۔ اشتراکی خیالات رکھ کر حکومت کی مشنری کا پرزہ بننا اس کے لئے ناممکن تھا اس لئے تصنیف و تالیف

کے کام میں مصروف ہو گیا مگر محکمۂ احتساب یہاں بھی آڑے آیا۔ اور پے درپے اس کے دونوں رسالے یعنی "گھنٹی" اور "دور" بند کر دیے گئے اور افلاس کے باعث قید سے بچنے کے لئے اسے بیرونی ممالک میں پناہ لینی پڑی اس کی ساری زندگی عسرت اور پریشانی میں گذری پھر بھی اس نے اپنی تصانیف میں نفسیات کے حیرت انگیز راز افشا کئے ہیں۔

"مگر مچھ" میں اس نے چند انمل بے جوڑ اور متضاد چیزیں پیش کر کے ہنسانے کا سامان مہیا کیا ہے اور اس ذہنیت کا مذاق اڑایا ہے کہ زندگی میں ہر چیز کے مقابلہ میں معاشی سوال کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا تعلق یورپ دوست جماعت سے تھا "مگر مچھ" میں اس نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سرکاری طبقہ یورپ دوست جماعت کا کس قدر مخالف ہے اور ضابطہ پرستی کا اس قدر احمقانہ حد تک حامی ہے کہ کسی شخص کی جان بچانے کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنے کے بجائے "ضابطہ ملازمت" پر غور کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے "تھانہ" میں اور "مجسٹریٹ صاحب" گوریونوف کی تصنیف ہیں۔ "دلیا" اور "اسکول ماسٹر" نکولائی اُس پنسکی نے لکھے ہیں۔ "پیسہ اور کسان" اسٹینیاک کے قلم سے ہے۔ ان سب میں انیسویں صدی کے روسی نظام حکومت کسانوں کی حالت اور روسی معاشرت کو ایسے پیرائے میں پیش کیا گیا ہے، جسے دیکھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور ساتھ ہی عوام کے لئے ہمدردی کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ "اسکول

پیش لفظ

ماشر کے مطالعہ سے روس کی تعلیمی حالت کا نقشہ نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے اور "پیسہ اور کسان" سے وہ مصیبتیں اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں جن میں "پیسے" کی عنایتوں سے بیچارہ سادہ لوح روسی کسان پھنسا رہتا تھا اور جن سے پیسہ کو زمین میں دفن کرنے کے بعد ہی اسے نجات حاصل مل سکی۔

روڑا

شہر میں ایک سڑک تھی ، روڑوں سے بنی ہوئی۔ کسی گاڑی نے سڑک سے گذرتے گذرتے ایک روڑا اکھاڑ پھینکا۔ روڑے نے اپنے باپ سے کہا " میں یہاں دوسرے روڑوں میں بھنچا دبا کیوں پڑا رہوں؟ میں آزاد رہنا چاہتا ہوں"

ادھر سے جاتے جاتے ایک لڑکے نے یہ روڑا اٹھا لیا۔ روڑے نے دل میں سوچا " میں سیر کرنا چاہتا تھا، میری خواہش

پوری ہوگئی ۔ دنیا میں صرف ارادے کی ضرورت ہے ، مضبوط ارادے کی ۔"

لڑکے نے روڑے کو زور سے ایک مکان کی طرف پھینکا ۔ روڑے نے سوچا "میں اڑنا چاہتا تھا ، لہذا ہوا میں اڑ رہا ہوں ۔ بڑی آسان بات ہے یہ ـــــــ بس ارادہ کرنے کی دیر ۔"

روڑا دھڑ سے کھڑکی سے ٹکرایا ۔ شیشہ چور چور ہوگیا لیکن ٹوٹتے ٹوٹتے پکار اٹھا :-

"بدمعاش کہیں کا ۔ دیکھ کیا کر رہا ہے تو !"

لیکن روڑے نے کہا :-

"بہتر تھا کہ میرے راستے ہی میں نہ آتے تم ! میں اپنے معاملہ میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا ۔ ہر چیز میرے آرام کے لئے ہونی چاہئے ـــــــ ـــــــ یہی میرا اصول زندگی ہے ۔"

روڑا ایک نرم نرم بستر پر گر کر سوچنے لگا ! " اچھا اب میں تھوڑی سی پرواز کر چکا ہوں ۔ ذرا دیر لیٹ کر آرام کر لوں تو ٹھیک رہے گا ۔" اتنے میں ایک ملازم اندر داخل ہوا ۔ اس نے روڑے کو بستر سے اٹھایا اور کھڑکی کے باہر پھینک دیا ۔ روڑا سڑک پر گر پڑا ۔

اب روڑے نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا " آداب عرض ہے دوستو ! میں ایک بڑے محل میں ذرا سیر کرنے گیا تھا ۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مجھے دولت مند طبقہ سے کوئی

دلچسپی نہیں میرا دل عوام کے لئے بے قرار تھا۔ میں واپس آگیا۔

دیوانے کی ڈائری

۳؍اکتوبر

آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ صبح ذرا دیر سے اٹھا۔ مادرا چائے لایا تو میں نے وقت پوچھا اور یہ معلوم کرکے کہ دس بہت دیر ہوئی بج چکے ہیں جلدی سے لباس بدلا واقعہ یہ ہے کہ دفتر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج کل جب کبھی دیر سے دفتر جاتا ہوں منتظم صاحب ناک بھوں چڑھا کر انتہائی کڑوی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ سے انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا ہے کہ جب دیکھو پکار اٹھتے ہیں "حضرت! یہ آج کل آپ کے سر میں کیا سمایا ہوا ہے؟ بعض اوقات آپ کی حرکتیں ایسی ہوتی ہیں جیسے آسیب ہوگیا ہو۔ کاغذات ایسے گڈمڈ کردیتے ہیں کہ انسان تو انسان شیطان بھی ترتیب نہ دے سکے سرخیاں لکھتے ہیں تو جلی کے بجائے خفی حرفوں میں۔ رہے تاریخ اور سن تو شاید آپ انھیں لکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔"

لعنت ہے کمبخت پر۔ بات یہ ہے کہ منتظم صاحب مجھ سے جلتے ہیں اور وہ اس لئے کہ میں ناظم صاحب کے خاص کمرے میں بیٹھتا اور ان کی پنسلیں کاغذ اور قلم دوات وغیرہ درست کرتا ہوں۔ میں تو خود ہی منتظم صاحب کے کمرہ میں نہ جاتا۔ بات یہ ہوی کہ میں نے وہ سوچا تھا وہاں خزانچی سے ملاقات ہو جائے گی اور میں اس یہودی نیچے سے کہوں گا کہ میری تنخواہ میں سے ایک حصہ پیشگی دیدے مگر میں نے ایسا آدمی عمر بھر میں اب تک نہیں دیکھا۔ پیشگی تنخواہ دینا اس کے لئے ایسا ہے جیسے تنخواہ دینے سے پہلے ہی قیامت آجائے گی۔ خوشامد کر دچاہے گڑگڑا کر کہو ـــــــ کمبخت ہرگز ہرگز دینے پر راضی نہ ہوگا لیکن گھر میں حالت یہ ہے کہ خود اس کا باورچی اس کی حجامت بناتا رہتا ہے ـــــــ شہر میں کون ہے جو اس بات سے واقف نہیں ـــــ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس کمپنی کی ملازمت سے فائدہ کیا ہے۔ آمدنی کے وسائل ہیں اور نہ ترقی کی اُمید کرڑوڑگیری، مالگذاری اور آبکاری کی اور ہی بات ہے۔ یہاں بعض اوقات ایسے لوگ نظر آئیں گے جیسے رمضان میں پیدا ہوئے ہیں اور وہ بھی کسی قحط زدہ ملک میں میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے۔ صورتیں ایسی جیسے سوکھی لکڑی کے کندے لیکن دفتر سے نکل کر دریافت کرو تو آنکھیں کھل جائیں۔ کیسا اچھا شاندار مکان ہے، کرایہ پر اٹھا ہوا اور ماہانہ آمدنی تین چار سو روپیہ!! میز یا کرسی نذر کیجئے تو کہیگا ’’ایسی چیزیں تو ڈاکٹروں اور طالب علموں کیلئے موزوں ہیں۔ میرے کس کام کی؟‘‘ اسے تو بگھی کے

لئے گھوڑوں کی جوڑی چاہئے جن کی قیمت کم سے کم تین سو روپیہ تو ہو! بھیگی بلی کی طرح نہایت انکساری سے مسکراتے ہوئے آپ کی طرف دیکھ کر کہے گا "کیا میں حضور کو چاقو مرحمت فرمانے کی زحمت دے سکتا ہوں؟" اور اس کے بعد ــــ اس کے بعد وہ آپ کی مومیائی تک نکال لینے میں کسر نہ چھوڑے گا ــ اس بری طرح جونک بن کر خون چوسے گا کہ آپ کنگال ہو جائیں گے ــــ ایسے کنگال کہ آپ کے بدن پر کرتے اور پیجامے کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے دفتر کی ملازمت قدرے زیادہ نستعلیق ہے ــــ ہر چیز نہایت صاف ستھری۔ میزیں اور کرسیاں عمدہ لکڑی کی بنی ہوئی اور نظارکیمنی محرروں کو "آپ" سے مخاطب کرتے ہیں پھر بھی ملازمت چاہے نستعلیق ہو چاہے نہ ہو میں عرصہ ہوا دفتر کو خیرباد کہہ چکا ہوں۔

میں نے اپنا پرانا کوٹ پہنا اور چھتری اٹھائی کیونکہ پانی زور وشور سے برس رہا تھا۔ سڑکیں خالی پڑی تھیں۔ صرف چند خواتین دکھائی دیں۔ سروں کو شالوں سے ڈھانپے ہوئے۔ اکے دکے روسی دوکاندار بھی تھے چھتری لگائے ہوئے۔ میری مانند سرکاری طبقہ کا صرف ایک ہی فرد نظر آیا جسے چوراہے پر دیکھ کر میں نے دل میں کہا "اوہو! اچھا! جانتا ہوں تم دفتر نہیں جا رہے ہو بلکہ سامنے جانے والی عورت کا پیچھا کر رہے ہو۔ جی ہاں! جانتا ہوں جناب کی نظریں اس کی پنڈلیوں

پڑی ہیں" ہمارے اہلکار۔ افوہ! عجیب و غریب درندوں کا گلہ ہیں یہ بدمعاش اتنے خراب ہیں جتنے دوسرے عہدیدار۔ کسی عورت کی ٹوپی نظر پڑی اور چلے اس کے پیچھے۔

ابھی میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ ایک بگھی آکر میرے قریب ہی ایک دوکان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گیا یہ تو ہمارے ناظم صاحب کی گاڑی تھی۔ میں نے دل میں سوچا وہ بھلا خرید و فروخت کرنے کے لئے وہ کیوں آنے لگے۔ غالباً ان کی صاحبزادی صاحبہ ہیں" میں وہیں ٹھہر گیا اور دیوار سے ٹیک لے کر کھڑا ہو گیا۔ اردلی نے دروازہ کھولا اور "وہ" خراماں خراماں دوکان کے اندر چلی گئیں۔ یا اللہ! اس کی آنکھیں اور ابرو! اف۔ اس نے کس انداز سے ادھر ادھر نگاہ ڈالی تھی! میرا تو اب خدا ہی حافظ ہے بھلا ایسی کون سی ضرورت پیش آئی تھی جو اس موسلا دھار بارش میں خرید و فروخت کی سوجھی۔ کون کہتا ہے عورتیں گوٹے پٹھے اور ریشم کی شیدائی نہیں ہوتیں! انھوں نے مجھے پہچانا نہیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے خود ہی اپنا چہرہ قصداً چھپا لیا تھا کیونکہ میرے کوٹ پر کیچڑ کے دھبے تھے اور پرانے فیشن کا تھا۔ آج کل تو فیشن ہی بدل گیا ہے۔ اس کے علاوہ کپڑا بھی کوئی ایسا عمدہ نہیں تھا۔

بگھی سے اترتے ہی "وہ" دوکان کے اندر داخل ہو گئیں۔ دروازہ بند ہو گیا دیکھتا کیا ہوں کہ مس صاحبہ کا ننھا سا کتا جسے اُن

کے زیادہ حصہ میں ان کی گود میں رہنے کا شرف حاصل ہے، باہر سڑک ہی پر رہ گیا ہے۔ میں اس کتے کو خوب جانتا ہوں۔ میجی۔ ہاں میجی اس کا نام ہے۔ ابھی ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا۔ میں نے سنا " ہلو میجی۔ ہلو "

" ایں۔ یہ کس نے کہا؟ کون ہے یہ؟" میں نے ادھر اُدھر دیکھا دو عورتیں چھتری لگائے چلی جارہی تھیں۔ ایک بڑی بی اور ایک نوجوان لڑکی لیکن دونوں۔ دونوں کی دونوں جلدی جلدی آگے بڑھ گئیں۔ یکایک میں نے سنا " افسوس میجی! بڑے افسوس کی بات ہے!"

دیکھتا کیا ہوں کہ میجی اور ان دونوں خواتین کی " ننھی " ایک دوسرے کو سونگھ رہے ہیں مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ میں دل میں سوچنے لگا کہ میں کہیں پئے ہوئے تو نہیں ہوں۔ میں شاذ ونادر ہی پیتا ہوں۔

" نہیں فدیلی! نہیں۔ تمھیں غلط فہمی ہوی ہے" میں نے خود اپنی آنکھوں سے میجی کو یہ کہتے ہوے دیکھا۔

" میں۔ وو۔ وو۔ وو۔ میں سخت بیمار تھا "

اول تو مجھے بڑی حیرت ہوی لیکن غور کیا تو کوئی تعجب کی بات نہ پائی۔ دنیا میں ایسے بہت سے واقعات گذرے ہیں۔ کہتے ہیں انگلستان میں ایک مچھلی تھی جس نے ایک بار ایسی زبان میں دو لفظ کہے جن پر

تین سال سے وہاں کے عالم و فاضل تحقیقات کر رہے ہیں لیکن ابھی تک ان کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کے علاوہ میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ دو گائیں ایک دوکان پر پہنچیں اور ایک پونڈ چائے کا ڈبہ طلب کیا۔

ہاں اس وقت البتہ میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب میجی نے کہا " فدیلی! میں نے تمھیں خط لکھا تھا لیکن لیکن پولکن وہ خط تمہارے پاس نہیں لا سکتا تھا" خدا کرے میں تنخواہ سے محروم رہوں اگر میں نے اس سے پہلے کبھی سنا ہو کہ کتے بھی خط لکھ سکتے ہیں۔ میں بھونچکا سا رہ گیا۔ کچھ عرصہ سے میں ایسی چیزیں دیکھ اور سن رہا ہوں جنھیں آج تک نہ کسی نے دیکھا اور نہ سنا ہے" میں نے دل میں سوچا کہ میں ان عورتوں کے پیچھے پیچھے، معلوم کرنے کے لئے جاؤں گا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آخر ان باتوں کی اصلیت کیا ہے اور کتے کیونکر سوچتے ہیں۔ میں نے چھتری بند کی اور ان خواتین کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ ایک گلی کی طرف جاکر دوسرے کوچہ کی طرف پلٹیں، اس کے بعد ایک بڑھئی کی دوکان میں گئیں اور وہاں سے ایک اور گلی میں جاکر ایک بڑے مکان کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

میں نے دل میں سوچا" ارے میں تو یہ مکان جانتا ہوں۔ ویرکوف کی بلڈنگ ہے نا۔ افوہ کیا بدمعاش ہے۔ ذرا سوچو تو۔ اس میں کتنے آدمی رہتے ہیں۔ بس کبوتروں کی کابک ہے۔ سرکاری ملازم

نوکر، نائی، درزی اور میرے ماتحت اہلکار سب کے سب کتوں کی طرح بھونسے ہوئے۔ میرا ایک ملاقاتی بھی تو یہاں رہتا ہے۔ اسے بگل بجانا خوب آتا ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ دونوں خاتونیں دوسری منزل پر چڑھ گئیں۔

"اچھی بات ہے" میں نے دل میں سوچا۔ "آج تو میں اندر نہیں جاتا لیکن اس مقام کو یاد رکھوں گا اور اولین فرصت کے موقع پر اپنی معلومات سے فائدہ اٹھاؤں گا"

۴ راکتوبر

آج بدھ کا روز ہے۔ میری ڈیوٹی ناظم صاحب کے دارالمطالعہ میں تھی۔ میں قصداً وقت سے پہلے ہی پہنچ گیا اور بیٹھ کر میں نے میز پر رکھے ہوئے سب قلم درست کئے۔ ناظم صاحب یقیناً بڑے قابل آدمی ہیں۔ کئی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ میں نے کئی کتابوں کے نام پڑھے لیکن وہ سب عالمانہ تھیں مہا عالمانہ۔ مجھ ایسے معمولی شخص کے سمجھنے کی نہیں یہ سب کی سب جرمن زبان میں ہیں، یا فرانسیسی زبان میں۔ ان کی صورت دیکھو۔ افوہ! ان کی آنکھوں سے علم و فضل کا جلال برستا ہے۔ میں نے آج تک انھیں ایک بھی غیر ضروری بات کہتے ہوئے نہیں سنا۔ کوئی کاغذ پیش کرو صرف اتنا کہیں گے۔

"موسم کیسا ہے؟"

سچ سچ ہم لوگ ان کی گرد کو نہیں پہنچتے۔ وہ ایک مدبر ہیں بہت

بڑے مدبر "۔

لیکن وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں ۔ اگر ان کی صاحب زادی لاحول ولا قوۃ اونہہ ۔ اونہہ لاحول ولا قوۃ ۔ میں نے " ننھی بکھی " پڑھنا شروع کر دی ۔ یہ فرانسیسی بھی کیسے احمق ہوتے ہیں ۔ واللہ ۔ میں تو انھیں بندھوا کر کوڑوں سے پٹواؤں خیر ۔

میں ایک امیر کی لکھی ہوئی ایک محفل رقص کی دلچسپ کیفیت پڑھ رہا تھا ۔ خوب لکھا ہے ۔ ابھی پڑھ ہی رہا تھا کہ میری نظر گھڑی پر پڑی ۱۲ ½ بج چکے تھے اور ناظم صاحب خوابگاہ سے برآمد نہیں ہوئے تھے ۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ایک ایسا واقعہ ہوا جسے بیان کرنے سے قلم عاجز ہے ۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور یہ سمجھ کر کہ ناظم صاحب تشریف لے آئے ہیں ۔ میں اچھل پڑا اور کاغذات ہاتھ میں اٹھا کر جلدی سے کھڑا ہو گیا ۔ مگر یہ تو ـــ " وہ " تھیں ۔ وہی خود ۔ اف اللہ ۔ ان کا لباس ! سر سے پاتک سفید راج ہنس کی طرح جس پر نہایت حسین بیلیں ٹنکی ہوئی تھیں ۔ اف وہ نظریں ! خدا کی قسم آفتاب کی کنواری کرنوں کی طرح !

" کیا ابا جان یہاں تشریف لائے تھے " انھوں نے سر کو خم کرتے ہوئے فرمایا ! اللہ اللہ کتنی سریلی آواز تھی ۔ بلبل کا نغمہ ۔ نہیں اس سے کہیں بڑھ کر ۔ مجھے الفاظ نہیں ملتے ۔

مجھے کہنا چاہئے تھا " خاتون ! خدا کے لئے میرے حال پر رحم فرمائے

اگر موت برحق ہے تو آپ ہی کے ہاتھوں کیوں نہ ہو؟' لیکن واہ ری قسمت! میری زبان سے نکلا بھی تو کیا "وہیں خاتون!"

انھوں نے میری طرف دیکھا پھر کتابوں کی طرف نظر ڈالی۔ اتنے میں ان کا رومال گر پڑا۔ میں نے دیکھا اور جھپٹا۔ کمبخت فرش پالش کیا ہوا تھا۔ میں پھسلا اور گرا۔ بچ گیا ورنہ ناک پھوٹ جاتی۔ پھر بھی میں نے جلدی سے رومال اٹھالیا۔ اللہ اکبر! کیا حسین رومال تھا! ریشمی اور معطر جس سے اعلیٰ طبقہ کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر مشامِ جان کو معطر کر رہی تھی۔

انھوں نے بڑے دلفریب انداز سے میرا شکریہ ادا کیا۔ مسکرائیں اور اس طرح کہ ان حسین ہونٹوں پر ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا۔ اس کے بعد چلی گئیں۔ میں نے ایک گھنٹہ اور انتظار کیا جس کے بعد بیرے نے آکر کہا "اب تم جا سکتے ہو۔ سرکار باہر چلے گئے۔"

میں چپراسیوں کی بدتمیزی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کمبخت بازو کے کمرے میں مٹرگشت کرتے رہتے ہیں اور بدمعاش سلام بھی کرنے کی زحمت نہیں گوارا کرتے اور یہی نہیں ان بدتمیزوں میں سے ایک نے تو حد کر دی۔ اسٹول پر بیٹھے بیٹھے کہنے لگا "سگریٹ پیو گے؟"

گدھا کہیں کا! یہ بھی نہیں جانتا کہ میرا تعلق سرکاری ملازمت سے ہے۔ اور اعلیٰ خاندان سے ہوں۔ میں نے ٹوپی پہنی اور کوٹ بھی خود ہی پہن لیا (یہ امیر طبقہ کسی کی مدد کا خیال نہیں کرتا!) اور باہر چلا گیا۔ گھر میں

باقی وقت پلنگ پر پڑے پڑے گذارا۔ اس کے بعد میں نے یہ دلکش اشعار نقل کئے۔

یہ ظالم ہوائیں یہ کافر گھٹائیں
چلی آئیں تنہا انھیں بھی تو لائیں
ضرور ان سے مس ہو گیا کوئی جھونکا
مہکتی ہوئی آرہی ہیں ہوائیں
ہماری عبادت تو ہے یاد ان کی
وہ معبود ہو کر ہمیں بھول جائیں

یاد نہیں آتا کس کے شعر ہیں۔ مگر نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ ساغرؔ وسکی کے ہیں — ایک اور شعر ہے نا۔

چلو ان کے در پر پھر اک بار ساغر
مقدر کو اک بار پھر آزمائیں

شام کو ڈرغل میں اپنے آپ کو لپیٹ کر ناظم صاحب کے مکان گیا۔ بہت دیر تک دروازے پر انتظار کرتا رہا۔ شاید "وہ" سیر کے لئے نکلیں اور "ان" کے درشن ہو جائیں لیکن وہ نہیں آئیں اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ع٥ - بھائی ساغر معاف کریں۔ تیناتی

۶ر نومبر

منتظم صاحب بگڑے ہوئے ہیں۔ دفتر پہنچا تو انھوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلاکر کہنا شروع کیا "کہئے جناب۔ کس رنگ میں ہیں۔ کیا بات ہے اور کیا کر رہے ہیں؟"

"یعنی؟" کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں تو کچھ نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا"

غور کرو۔ ایک مرتبہ پھر غور کرو۔ اور سمجھ سے کام لو۔ تمہاری عمر چالیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ لیکن حرکتیں ایسی ہیں۔ آخر تمہارے سر میں سمایا کیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے معلوم نہیں؟ میں تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف ہوں۔ آخر ناظم صاحب کی صاحبزادی کے پیچھے پیچھے پھرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اپنی حالت پر غور کرو۔ ایک منٹ سوچو۔ جانتے ہو تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ غیر معروف گمنام آدمی ہو۔ یہ بھی جانتے ہو کہ تمہاری جیب میں ایک جھنجھی کوڑی بھی نہیں۔ جاؤ۔ آئینہ میں اپنی صورت دیکھو—— ایسی بات کا تصور ہی کیونکر کرسکتے ہو تم؟"

شیطان کہیں کا۔ قسر نبیق کا سامنہ بنائے ہوئے سر پہ بالوں کا ایک گچھا ہے۔ جیسی طاعوں کا پھولا ہوا چوہا۔ ویسلین لگاکر اسی گچھے کو جماتا اور سمجھتا ہے کہ ساری دنیا اس کی ماتحت ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں خوب جانتا ہوں وہ مجھ سے کیوں ناراض ہے۔ بدمعاش جلتا ہے شاید اس نے دیکھ لیا ہے کہ ناظم صاحب مجھ پر کتنے مہربان ہیں لیکن ہیں

اس کی کیا پروا کرتا ہوں۔ اس کے پاس ہے کیا، بس ایک سونے کی گھڑی اور تیس روپیہ کا ایک جوتا۔ خدا سمجھے مردود کو۔ مجھے کوئی معمولی آدمی سمجھا ہے۔ دفعدار یا درزی کا بیٹا۔ اعلیٰ خاندان سے ہوں ترقی کر سکتا ہوں۔ دوست! ٹھہرو "چندے روز او مری جان فقط چند ہی روز" مابدولت کسی دن انشاءاللہ کرنل ہو جائیں گے یا اس سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پر پہنچ جائیں گے۔ مابدولت کی شہرت بھی تم سے کہیں زیادہ ہو گی مگر میں جانتا ہوں کہ تمہاری اوندھی کھوپری میں یہ بات سمائی کیسے کہ دنیا میں بس تم ہی تم ہو، اور تم سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ مجھے جدید فیشن کا سلا ہوا لباس دو جیسا تم پہنتے ہو، پھر دیکھو آنکھیں چار نہ کر سکو گے۔ مجھ میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے۔ بس اتنا ہی نا کہ میرے پاس دولت نہیں۔ ساری خرابی اسی کی ہے۔

۸ر نومبر۔

میں آج تھیٹر دیکھنے گیا تھا۔ شیخ چلی کی کہانی تھی۔ دل کھول کر ہنسا اور ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ آخر میں وکیلوں اور کسی کالج کے رجسٹرار کی شان میں بڑے دلچسپ قصیدے پڑھے گئے۔ ان لوگوں کا ایسا مذاق اڑایا گیا تھا جسے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ان کے پڑھنے کی اجازت کیونکر دی گئی۔ ایک نظم میں تو بیوپاریوں کے متعلق صاف صاف الفاظ

ع۵۔ پروفیسر فیض احمد فیض معاف فرمائیں۔ جینائی

میں کہا گیا تھا کہ یہ لوگ بڑے دھوکہ باز ہوتے ہیں اور ان کی اولاد ہر دم اس کوشش میں رہتی ہے کہ ہم بھی کسی طریقہ سے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہو جائیں۔ اخبار نویس بھی نہیں بچ سکے۔ یہ لوگ ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے مصنفوں نے عوام سے درخواست کی تھی کہ ان کی مدد کریں آج کل بڑی دلچسپ خبریں سنی جا رہی ہیں۔ مجھے تھیٹر بہت پسند ہے۔ ادھر میری جیب میں چند آنے کھنکے اور ادھر میں تھیٹر پہنچا۔ ہمارے بہت سے عہدیدار تو فقط سوروں کی طرح رہتے ہیں انھیں تھیٹر سے کوئی دلچسپی نہیں بالکل یونہی جیسے اگر وہ کسان ہوتے تو انھیں اس کی پروا نہ ہوتی البتہ ان لوگوں کو مفت کا ٹکٹ ملے تو ضرور جائیں گے۔ ایک ایکٹرس نے گانا اچھا سنایا۔ میں "ان" کے بارے میں سوچنے لگا ——

وہ —— لاحول ولا قوۃ —— لاحول ولا قوۃ۔

۹ رنومبر

آج صبح آٹھ بجے دفتر گیا۔ منتظم صاحب اس طرح انجان بن گئے جیسے انھوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔ میں نے یوں ظاہر کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے بہت سے کاغذات پر نظر ڈالی۔ دیکھتا رہا اور چار بجے اٹھ کر چلا آیا۔ ناظم صاحب کے گھر کے سامنے سے گذرا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ کھانا کھانے کے بعد زیادہ تر بستر ہی پر پڑا رہا۔

۱۱ رنومبر۔

آج میں ناظم صاحب کے مطالعہ خانے میں بیٹھا رہا۔ اور وہیں بیٹھے

مجھے تیس قلم تراش ڈالے۔ اس کے بعد چار قلم اور تراشے۔ یہ اُن کے قلم تھے۔ ہاں "ان" کے قلم! ناظم صاحب چاہتے ہیں کہ خاص ان کے لئے بہت سے قلم رکھے رہیں۔ کیا دماغ ہوگا ان کا! باتیں تو کرتے ہی نہیں میرا خیال ہے ناظم صاحب ہر وقت سوچتے رہتے ہیں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سب سے زیادہ کس چیز کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اور ان کے دماغ میں کون سی کھچڑی پکتی رہتی ہے۔ میں ان بڑے آدمیوں کی زندگیوں کا ذرا زیادہ قریب سے مطالعہ کرنا چاہتا ہوں مثلاً ان کی معمولی بات چیت اور درباری ہتھکنڈے۔ اپنے حلقہ میں وہ رہتے کیونکر ہیں اور وہ کرتے کیا ہیں ——— ہاں میں یہی چیزیں معلوم کرنا چاہتا ہوں میں نے کئی مرتبہ ناظم صاحب سے گفتگو کرنا چاہی لیکن میری زبان نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ کمبخت کہیں کی۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ موسم خنک ہے یا گرم۔ اس کے علاوہ زبان سے ایک حرف نہیں پھوٹتا۔ میں ذرا دیوانخانہ کو تفصیل سے دیکھنا چاہتا ہوں جس کا ایک دروازہ کبھی کبھی کھلا نظر آتا ہے۔ اور پھر وہ کمرہ جس کا دروازہ دیوانخانہ کے اُس طرف ہے۔ کتنا قیمتی سامان اس میں رکھا ہوا ہے! کیسے کیسے آئینے اور کتنی نفیس چینی کی پلیٹیں دیوار پر ٹنگی ہوئی ہیں میں مکان کے وہ کمرے بھی دیکھنا چاہتا ہوں جہاں "وہ" رہتی ہیں۔ اوہ۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میں کہاں جانا چاہتا ہوں! ان کے سنگار خانے میں! جہاں عطر دان غازہ کے ڈبے اور ایسے حسین گلدستے رکھے ہوئے ہیں

جنھیں سونگھنے کی بھی کسی کو ہمت نہیں ہوسکتی اور پھر وہ ان کا لباس خاص — آہ نسیم سحر کی طرح لطیف اور معطر لباس!! اف وہ ان کا شبستان! اُف کتنا حیرت انگیز ہو گا۔ جنت ارضی! فردوس زمیں!!! اور پھر وہ چھوٹی سی حسین تپائی جس پر کنگھی ہوتے وقت وہ اپنے نازک سے حسین پاؤں رکھتی ہیں۔ اُف۔ اُف۔ معاذاللہ۔ معاذاللہ۔

آج میرے دل میں ایک قسم کی روشنی سی پیدا ہوئی۔ مجھے ان دونوں کتوں کی باتیں یاد آئیں جنھیں میں نے —— میں نے سنا تھا۔

"اچھی بات ہے" میں نے دل میں سوچا!! اب مجھے سب کچھ معلوم ہو جائیگا میں ان دونوں بدصورت کتوں کے خط اڑا لوں گا۔ ان سے یقیناً کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو جائیگا۔" چنانچہ میں نے میجی کو پکارا بھی اور اس سے کہا کہ "دیکھو میجی! یہاں پر ہم دونوں بالکل اکیلے ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں دروازہ بھی بند کرلوں گا تاکہ ہمیں کوئی اور دیکھ نہ سکے۔ مجھے بتاؤ مجھے اپنی مالکہ کے بارے میں سب کچھ بتادو۔ وہ کیسی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی تم جو کچھ بتا سکتے ہو مجھے بتادو۔ میں قسم کھاتا ہوں کسی کے سامنے ہرگز ہرگز نہیں کہوں گا"۔

مگر وہ بدمعاش مکار کتا!!! اس نے اپنی دم ٹانگوں کے بیچ میں دبالی اور چپکے سے کمرے کے باہر یہ جا وہ جا نظر دل سے غائب ہوگیا —

ارے وہ تو ایسے گیا جیسے اس نے میری بات ہی نہیں سنی۔ میرا عرصہ سے خیال ہے کہ کتے آدمیوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ وہ باتیں بھی کر سکتے

ہیں۔ مگر کسی خاص ضد کے سبب سے نہیں بولتے۔ وہ بڑے مکار ہوتے اور انسان کی ہر بات پر نظر رکھتے ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو کل میں ویرکوف بلڈنگ جاؤں گا۔ فدیلی سے باتیں کروں گا اور موقع ملا تو میجی کے تمام خطوط چھین لاؤں گا۔

۱۲ر نومبر۔

شام کو تین بجے کے قریب میں فدیلی کی تلاش میں نکلا تاکہ اس سے حالات دریافت کروں۔ مجھ سے مولی کی بو برداشت نہیں ہو سکتی لیکن راستے میں میش جان نکالا یا سڑک پر جو دکانیں ہیں سب کی سب مولیوں سے بھری ہوئی تھیں اُف کیسی تیز بو نکل رہی تھی ان سے! کیا بتاؤں! میں نے ناک بند کر لی اور جتنی تیزی سے ہو سکا وہاں سے بھاگتا ہوا دور نکل گیا۔ مگر دھواں!! افوہ یہ لوہار کمبخت اپنی بھٹیوں میں کوئلہ جلا رہے تھے۔ اور ساری فضا ایسی دخانی بن گئی تھی کہ سڑک پر چلنا دوبھر ہوگیا میں نے ویرکوف بلڈنگ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ ایک لڑکی باہر نکلی۔ صورت ایسی بُری نہ تھی لیکن چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں میں نے اسے پہچان لیا۔ وہی لڑکی تھی، جو اس روز بوڑھی عورت کے ساتھ تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی دوڑ گئی اور میرے دل میں فوراً ہی بجلی کی طرح یہ خیال چمکا "تم کو ایک چاہنے والے کی ضرورت ہے صاحبزادی!"

"فرمائیے کیا ارشاد ہے" اس نے کہا۔

لڑکی ذرا بیلی سی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ایک ہی نظر میں معلوم کرلیا اتنی دیر میں فدیلی بھونکتی ہوی باہر نکلی۔ میں نے اسے پکڑنا چاہا۔ لیکن کمبخت نے میرا منہ نوچ ہی لیا تھا اگر میں جلدی سے سرا دبچا نہ کرلوں۔ اتنے میں میری نظر ایک ٹوکری پر پڑی۔ "فدیلی رات کو اسی میں سوتی ہے" مجھے فوراً ہی خیال آیا" بس مجھے اسی کی ضرورت ہے۔ میں جلدی سے ٹوکری کے پاس گیا۔ پیال اور بھوسہ الٹ دیا اور یہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوی کہ اس میں چھوٹے چھوٹے کاغذوں کا ایک پیکٹ موجود ہے۔ فدیلی نے پہلے تو میرے پاؤں پر منہ مارنے کی کوشش کی لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ خطوں پر میرا قبضہ ہو چکا ہے، دم ہلانا اور خوشامد کرنا شروع کردیا لیکن میں نے کہا" نہیں نہیں۔ بس رہنے دیجئے"۔ میرا خیال ہے لڑکی نے مجھے دیوانہ سمجھا کیونکہ وہ بالکل سہمی ہوی معلوم ہوتی تھی گھر پہنچ کر میں نے فوراً ہی کام شروع کردینے کا فیصلہ کرلیا تاکہ خطوط پڑھ لئے جائیں لیکن بیوتوف ماورا نے اسی وقت جھاڑ و دینی شروع کردی عجب اُلو ہے۔ اسے ہمیشہ بے وقت صفائی کی سوجھتی ہے۔ مجبوراً گذرے ہوئے واقعات پر غور کرنے کے لئے باہر گھومنے چلا گیا، یہ سوچتا ہوا کہ اب تو مجھے سارے واقعات معلوم ہو جائیں گے۔ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خیالات کیا ہیں، جذبات کیا ہیں اور انھیں کن کن کلوں سے گھمایا جا سکتا ہے۔ مجھے ان خطوں سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ کتوں کی نسل بڑی دانشمند ہوتی ہے۔ وہ سیاسی

تعلقات کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے بلاشبہ ناظم صاحب کے حالات اور معاملات اچھی طرح معلوم ہو سکیں گے اور ۔۔۔ اور "اُن" کے بھی جو ۔ مگر ۔۔ خیر ۔۔ جانید و چپ رہو ۔ شام ہوتے گھر واپس آیا اور باقی وقت بستر میں پڑے پڑے گذارا۔

۱۳ر نومبر ۔

اچھا آؤ ۔ اب دیکھیں! خط تو کافی صاف ہے لیکن اس میں ایک خاص بات نظر آتی ہے شاید اس کا تعلق کتوں کی خصوصیات سے ہے ۔

" میری پیاری فدیلی

تمہارا اگنو ارو نام ابھی تک میری زبان پر اچھی طرح نہیں چڑھا ۔ عجیب لوگ ہیں! کیا اس سے اچھا نام نہیں رکھ سکتے تھے؟ فدیلی! چھپا! کیسے بد مذاق لوگ ہیں!! خیر یہ ذکر بے موقع ہے ۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ ہم نے آپس میں مراسلت کرنے کے مسئلہ پر اتفاق کر لیا ہے"

عبارت بالکل ٹھیک ہے ۔ اعراب اور اوقاف وغیرہ درست ہیں اتنے درست کہ ہمارے دفتر کے منتظم صاحب بھی اتنے صحیح نہیں لکھ سکتے۔ اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں ۔۔۔ مگر دیکھیں تو اور کیا لکھا ہے ۔

" مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیبی اسی میں ہے کہ ایک ایسا شخص مل جائے جو تمہارا ہم خیال اور ہم زبان ہو ۔"

ہونہہ! یہ خیال تو کسی جرمن کتاب سے اڑا یا؟ ہوا معلوم ہوتا ہے یاد نہیں آتا کس کتاب میں دیکھا ہے۔

"میں نے جو کچھ کہا وہ تجربہ پر مبنی ہے اگرچہ میں نے گھر کے باہر دنیا کو بہت کم دیکھا ہے۔ میری زندگی سکون و مسرت سے گذر رہی ہے میری مالکہ جسے بابا جان "صوفی" کہتے ہیں مجھ سے بڑی محبت کرتی ہیں۔"

اچھا - اچھا - خوب! ہاں پھر -

"بابا جان مجھے اکثر پیار کرتے ہیں - میں چائے اور کافی بالائی کے ساتھ پیتا ہوں مگر کیا بتاؤں تمھیں ان ہڈیوں کا مزا جن میں فقط گودا ہی گودا ہو جاتا ہے۔ اور جنھیں باورچی ہر وقت بھنبوڑتا رہتا ہے۔ کئی قسم کے مربے اور چٹنیاں بھی ہیں۔ واہ وا کیا کہنا مگر کوئی ساگ یا ترکاری ہونی چاہیے۔ ہڈیاں خاص کر جنگلی جانوروں کی بڑے مزے کی ہوتی ہیں مگر شرط یہی ہے کسی نے گودا نہ نکال لیا ہو۔ ایک بات سے مجھے بڑی نفرت ہے کتنی بری عادت ہے ان لوگوں کی! روٹی کے نوالے گول گول بنا کر کتوں کے سامنے ڈالتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ مہمان حضرات بھی بڑی نوازشیں فرماتے ہیں۔ روٹی کا ٹکڑا لیا گول گول گولا بنایا اور کھٹ سے کتے کے سامنے پھینک دیا ورنہ پچکار پاس بلایا اور منہ میں ڈال دیا۔ انکار کرنا بداخلاقی ہے۔ اور مجبوراً کھانا ہی پڑتا ہے۔"

یہ کیا حماقت ہے فضول، یا وہ گوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا میں کوئی اور بات ہی نہیں جس پر لکھا جائے۔ دیکھوں تو شاید دوسرے صفحہ پر کوئی کام کی بات ہو۔

"میں بڑی خوشی سے تمھیں اطلاع دیتا رہوں گا کہ ہمارے گھر میں کیا ہوتا رہتا ہے۔ اُن حضرت کے بارے میں جنھیں صوفی بابا جان کہتی ہیں۔ پہلے ہی لکھ چکا ہوں عجیب و غریب قسم کے آدمی ہیں"

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آمدم برسرِ مطلب۔ میں جانتا تھا۔ یہ لوگ ہر چیز پر سوچ سمجھ کر رائے دینے کے عادی ہیں۔ دیکھیں باباجان کے متعلق کیا لکھا ہے۔

"عجیب آدمی ہیں۔ بہت کم سخن لیکن ایک ہفتہ ہوا مسلسل یہی کہتے رہے "ملے گا یا نہیں؟ ملے گا یا نہیں" ایک مرتبہ مجھ سے بھی پوچھا "میجی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے ملے گا یا نہیں" میری سمجھ میں خاک نہ آیا میں نے ان کے جوتے سونگھے اور باہر چلا گیا۔ اس کے ہفتہ بھر بعد باباجان بہت خوش خوش نظر آرہے تھے۔ صبح کو بہت سے لوگ فوجی لباس پہنے ہوئے آئے اور مبارکبادیں دیتے رہے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اصل بات کیا تھی۔ کھانے پر بھی وہ بہت مسرور نظر آرہے تھے"

اچھا معلوم ہوا ان کے ارادے بہت بلند ہیں۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔

"خدا حافظ پیاری ـــ میں دوڑتا ہوں اور ـــ کل باقی خط لکھوں گا۔"

" صبح بخیر۔ دیکھو میں پھر تمہارے پاس آگیا۔ آج میری مالکہ صوفیہ ـــ " ہاں اب معلوم ہوگا مجھے صوفیہ کے متعلق کچھ۔ اوہ۔ خیر کوئی بات نہیں۔ پھر۔

"میری مالکہ صوفیہ آج بڑی گڑبڑ میں تھیں آج انھیں رقص میں جانا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مجھ خط لکھنے کے لئے وقت مل جائے گا۔ میری صوفیہ رقص کی عاشق ہے اگرچہ رقص کے لئے کپڑے پہنتے وقت اسے اکثر غصہ آجاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میری پیاری کہ آخر اس رقص میں ایسی کونسی مسرت ہوتی ہے۔ صوفیہ صبح ہوتے واپس آتی ہے۔ اس وقت اس کا چہرہ زرد ہوتا اور ایسی مردنی چھائی ہوئی ہوتی ہے، جیسے بیچاری کو کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا میں تو اس طرح دو دن بھی نہیں رہ سکتا۔ مجھے روزانہ کھانے کے لئے مرغ کی ایک ٹانگ اور بکری کا گوشت ملتا ہے۔ نہ ملے تو مرہی جاؤں۔ مجھے پڈنگ بھی پسند ہے۔ لیکن مولی شلجم اور گاجرین وغیرہ بالکل نہیں۔

کیا اونچا نیچا اور بے تکا طرز بیان ہے۔ دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کسی انسان نے نہیں لکھا ہے۔ شروع تو ٹھیک طریقہ سے کیا ہے لیکن ختم بالکل کتوں کی طرح اچھا دیکھو دوسرے خطوں میں کیا لکھا ہے۔

یہ تو ذرا طویل ہے۔ ہونہہ۔ اور اس پر تاریخ بھی نہیں لکھی گئی۔

"کیا بتاؤں بہار کی آمد آمد نے کیا کیفیت پیدا کر دی ہے۔ میرا دل اس طرح دھڑک رہا ہے جیسے کسی نامعلوم شے کی تمنا ہو۔ میرے کان نغموں سے گونج رہے ہیں۔ اور میں دروازے میں ایک پاؤں اٹھا کر دیر تک نغمات بہار میں کھوئی ہوئی کھڑی رہتی ہوں۔ میرے بہت سے چاہنے والے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے بدصورت ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ بعض اوقات ایک بڑا سا بھدا محافظ کتا ہوتا ہے بالکل احمق گاودی ——— اس کی پیشانی پر حماقت جلی حرفوں سے لکھی ہوئی دیکھ سکتے ہو۔ آپ سڑک پر اس طرح گلگشت فرماتے ہیں جیسے کوئی بڑے جاگیردار یا بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں اور ہر شخص کی نظریں ان ہی پر لگی ہوئی ہیں۔ حالانکہ ایک شخص بھی ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ میں تو انکی طرف توجہ بھی نہیں کرتی۔ دیکھتی ہوں لیکن اس طرح جیسے دیکھا ہی نہیں۔ اس کے بعد کوئی خوفناک تازی کتے صاحب تشریف لاتے اور میری کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو جائے (لیکن میں جانتی ہوں وہ گدھا اتنا بھی نہیں کر سکتا) تو صوفیہ کے بابا جان کے کندھوں سے بھی اونچا ہے۔ حالانکہ بابا جان کافی طویل ہیں۔ یہ احمق انتہائی بدتمیز معلوم ہوتا ہے۔ میں اسے دیکھکر زور سے غرائی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا یہاں تک کہ اس نے کسی قسم کا اظہار ناراضگی بھی نہیں

کیا فقط زبان نکالی ذرا کان اونچے کئے، دریچہ کی طرف گنوار کسان کی طرح دیکھا اور بس۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمام التجاؤں کو ٹھکرا دیتی ہوں اور میرے دل پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا؟ کاش تم ایک حسین وجمیل کتے کو دیکھتے، جو ہمسایہ کے گھر میں رہتا اور جنگلے کے ادھر اچھلتا کودتا رہتا ہے!! اس کا نام "ٹریزر" ہے۔ اف پیارے کیا بتاؤں۔ کیسا پیارا ہے اس کا دہانہ!"

لعنت ہے، کمبخت پر۔ کیا فضولیات ہیں۔ دیکھو تو خط میں ایسی چیزیں لکھی جاتی ہیں کہیں؟ میں انسان ہوں انسان کو پسند کرتا ہوں اور انسانی باتوں کو۔ ہاں ہاں میں اس روحانی غذا کا طلبگار رہوں جو میری پیاسی روح کو تسکین دے سکے۔ لیکن اس کے بجائے ملتا کیا ہے؟ —— یہ احمقانہ اور فضول باتیں! خیر دیکھوں دوسرے کاغذ میں شاید کوئی کام کی بات ہو!

"صوفیہ میز پر بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھی۔ میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا کیونکہ مجھے آنے جانے والوں کو دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ یکایک اردلی نے آکر کہا "ٹیلوف صاحب تشریف لائے ہیں"۔ صوفیہ نے جواب دیا "بلاؤ" اور جھپٹ کر مجھے چمٹا لیا "اف۔ میجی۔ میجی! کاش تمھیں معلوم ہوتا کہ یہ کون ہے؟ اف بادشاہ کے مصاحبیں خاص میں سے

اُس کی آنکھیں؟ سیاہ اور دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح روشن تھیں۔ وہ جلدی سے مجھے چھوڑ کر باز و کے کمرے میں چلی گئی۔ ایک منٹ بعد

صاحب خاص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی مونچھیں سیاہ تھیں۔ اس نے آئینہ میں جاکر صورت دیکھی۔ بال درست کئے اور کمرے میں ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ میں آہستہ سے غرّایا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں صوفی آگئی۔ اس کے چہرے پر مسرت لہریں مار رہی تھی۔ اس نے سلام کیا اور صوفی نے مسکراتے ہوئے گردن کو خم کر دیا۔ میں نے بہانہ کیا اس طرح جیسے میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ——— اور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا لیکن اپنی گردن ذرا پھرا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ میری پیاری۔ کیا بتاؤں کیسی فضول سی باتیں کر رہے تھے وہ لوگ۔ کہہ رہے تھے کہ رقص میں ایک خاتون نے کیونکر غلطی کی۔ پھر ایک اور شخص کے متعلق جو سارس کی طرح لم تڑنگ تھا اور ناچتے ہوئے قلابازی سی کھا گیا تھا ہنسنا شروع کیا۔ پھر ایک خاتون کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں، جو اپنی آنکھیں نیلی سمجھتی ہیں حالانکہ وہ سبز ہیں بس اسی قسم کی خرافات بکتے رہے۔ میری پیاری! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ٹیلوف میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ اور صوفی کیوں اس پر جان دیتی ہے!"

ہاں یہی میرا بھی خیال ہے۔ واقعی ناممکن ہے کہ ٹیلوف پر وہ جان دینے لگے اچھا آگے دیکھیں کیا لکھا ہے؟

"واقعی اگر وہ اس مصاحب کو پسند کرتی ہے تو اس محرر کو بھی پسند کر سکتی ہے جو بابا جان کے مطالعہ خانے میں بیٹھا ہوا ہے۔ پیاری! کیا بتاؤں کیسا بھیانک آدمی ہے۔ یوں سمجھو جیسے کچھوا کسی تھیلی میں ———"

ایں۔ یہ محرر کون ہوگا؟"

"اس کا نام بھی عجیب وغریب ہے۔ وہ دن بھر قلم تراشتا رہتا ہے۔ اس کے سر پہ بال سوکھی ہوئی گھاس کے مانند ہیں۔ بابا جان لوگوں کو خط وغیرہ پہنچانے کے لئے نوکر کے بجائے اسی کو بھیجا کرتے ہیں۔"

میں سمجھتا ہوں بدمعاش کتا میری طرف اشارہ کررہا ہے۔ کیا میرے بال واقعی سوکھی گھاس کے مانند ہیں؟"

" صوفیہ اسے دیکھ کر ہنسی ضبط نہیں کرسکتی۔"

جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ بدمعاش کتا۔ کیسا ذلیل اور باجیانہ انداز بیان ہے جیسے میں جانتا ہی نہیں۔ کمبخت جلتا ہے مجھ سے اور سازش کررہا ہے میرے خلاف منتظم صاحب نے سازش فرمائی نا۔ کمبخت نے مجھ سے نفرت کرنے اور میرے خلاف سازش کا جال پھیلانے کی قسم کھائی ہے اور اب ہر ہر قدم پہ مجھے نقصان پہنچانے کی دھن میں لگا رہتا ہے خیر اب میں بس ایک اور خط پڑھوں گا شاید معاملات کچھ زیادہ واضح ہو جائیں۔

میری پیاری فدیلی۔

معاف کرنا میں نے اتنے زمانے سے تمھیں کچھ نہیں لکھا۔ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں مجھ پہ ایک عجیب قسم کا نشہ ساطاری تھا کسی مصنف نے سچ کہا ہے کہ محبت حیات نو ہے۔ ہمارے گھر میں بڑے بڑے تغیرات ہورہے ہیں۔ مصاحب شاہ روزانہ تشریف لاتے ہیں۔ صوفی دیوانہ وار

ان سے محبت کر رہی ہے۔ بابا جان بہت خوش ہیں میں نے جھاڑو دینے والی سے سنا ہے ــــ وہ اپنے آپ سے باتیں کرتی رہتی ہے ــــ کہ بہت جلد شادی ہونے والی ہے کیونکہ بابا جان کی خواہش ہے کہ صوفیہ کی شادی جس قدر جلد ہو سکے کر دی جائے کسی جنرل یا مصاحب شاہ سے۔ لاحول ولا قوت۔ میں اس سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا۔ مصاحب شاہ یا جنرل ؟! میں بھی جنرل بننا چاہتا ہوں۔ اس سے شادی کرنے یا کسی اور ایسی ویسی چیز کے لئے نہیں ــــ میں تو صرف اس لئے جنرل بننا چاہتا ہوں کہ ان کی شخصیتیں اور تکلفات دیکھ سکوں اور اسی طرح ان کے درباری طور وطریق بھی اور اس کے بعد ان سے کہوں کہ میں ان سب چیزوں کی رتی بھر بھی پروا نہیں کرتا۔ یہ سب فضول بکواس ہے۔ خدا غارت کرے میں نے بیوقوف کتے کے سارے خطوط پھاڑ کر پھینک دیئے۔

۳ر دسمبر:

ناممکن ہے ایسا ہونا۔ شادی نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ کا مصاحب ہے تو ہونے دو۔ خطاب سے زیادہ اس کے پاس اور کیا ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہاتھوں میں اٹھا کر تولا جا سکے مصاحب ہو جانے سے کوئی سرخاب کے پر لگ گئے ہیں؟ چہرے پر تیسری آنکھ پیدا ہو گئی ہے؟ یا اس کی ناک سونے کی بن گئی ہے؟ بس ایسی ہی تو ہے جیسی میری یا کسی اور آدمی کی۔ سونگھنے کے لئے ہے کھانا کھانے کے لئے تو نہیں ہے۔ چھینکنے کے لئے ہے کھانسنے کے لئے نہیں ہے۔ میں نے اکثر اوقات اس پر غور کیا ہے کہ آخر

ان اختلافات کا سبب کیا ہے ۔ میں معمولی محرر کیوں ہوں اور کس مقصد کے لئے ۔ شاید حقیقت میں میں کسی مقام کا رئیس یا جنرل ہوں لیکن بظاہر منشی معلوم ہوتا ہوں ۔ غالباً میں خود اپنی حقیقت سے واقف نہیں تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں بعض معمولی آدمی جو قطعاً کسی امیر خاندان سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ معمولی دستکار یا کسان تھے یکایک بڑے سپہ سالار یا جاگیردار بن گئے ۔ — اب کہئے آپ کیا کہتے ہیں ؟ اچھا اسے جانے دیجئے یہی بتائیے کہ جب ایک معمولی کسان جاگیردار بن جائے تو جاگیردار کیا بن سکتا ہے ؟ فرض کیجئے کہ میں یکایک جنرل کی وردی میں آپ کے سامنے آجاؤں ۔ داہنی جانب ایک فوجی اعزازی نشان لگا ہوا اور بائیں جانب دوسرا ۔ بتائیے اس وقت میری محترم محبوبہ گل اندام کیا فرمائیں گی اور ہاں خود بابا جان یعنی ناظم صاحب قبلہ کا ارشاد کیا ہوگا ؟ کیا کہیں گے ؟ بڑے حوصلہ مند آدمی ہیں ۔ فری میسن ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ ضرور فری میسن ہیں ۔ اگرچہ چھپانے کیلئے سیکڑوں بہانے کرتے ہیں لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ ضرور فری میسن ہیں ۔ ہاتھ ملاتے ہیں تو صرف دو انگلیوں سے بھلا ہے کوئی شخص جو اس سے انکار کرے کہ میں ابھی ابھی اسی لمحہ گورنر جنرل یا اسی قسم کے کسی عہدے پر مامور کیا جا سکتا ہوں ۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر میں محرر کیوں ہوں — محرر ہی کیوں ؟

۵ دسمبر :-

آج صبح میں اخبار پڑھتا رہا ۔ اسپین میں عجیب و غریب واقعات

پیش آرہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں کا تخت خالی ہے اور وہاں کے عہدیدار عجیب مخمصے میں ہیں کیونکہ انھیں ولی عہد کا انتخاب کرنا ہے اور اسی وجہ سے وہاں فسادات ہو رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں نہایت عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ تخت ـــــ آخر تخت کیونکر خالی رہ سکتا ہے! وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ کوئی غیر معروف اور گمنام شخص تخت نشین ہوگا لیکن بھلا کوئی غیر معروف شخص کیونکر تخت پر بیٹھ سکتا ہے! ناممکن قطعاً ممکن نہیں۔ تخت پر بادشاہ کا ہونا ضروری ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ نہیں ہے، لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ نہ ہو بھلا بغیر بادشاہ کے سلطنت کیونکر باقی رہ سکتی ہے۔ بادشاہ یقیناً موجود ہے لیکن غالباً بھیس بدلے ہوئے کہیں چھپا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے وہیں موجود ہو اور کسی خانگی معاملہ کے باعث کہیں جاکر چھپ گیا ہو یا کسی ہمسایہ ملک سے کسی خطرے کے باعث ـــــ ممکن ہے فرانس یا کسی دوسرے ملک سے اندیشہ ہو۔ بہرحال کچھ بھی ہو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور موجود ہے

۸ر دسمبر:

آج میں نے دفتر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن بعض خیالات اور وجوہ نے روک لیا اسپین کے معاملات دماغ میں چکر لگا رہے ہیں۔ بھلا کسی عورت کا حکمران ہونا کیونکر ممکن ہے؟ اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مثال کے طور پر انگلستان اجازت نہ دے گا۔ پھر یورپ کے سیاسی معاملات بھی تو ہیں۔ شہنشاہ اسٹریا ـــــ میں جانتا ہوں کہ ان معاملات

نے میرے اعصاب میں انتہائی ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے دن بھر میں کسی تصنیف پر نہ پہنچ سکا۔ ماورا نے بھی میری ذہنی کیفیت کا اندازہ کر لیا چنانچہ اس نے کہا کہ آج میں کھانا کھاتے وقت کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ مجھے یقین ہے کیونکہ جس وقت میں فکر کے دریا میں غوطے لگا رہا تھا، میں نے دو پلیٹیں اٹھا کر زمین پر پھینک دیں اور وہ چکنا چور ہو گئیں کھانے کے بعد میں پہاڑی کے دامن میں چہل قدمی کرنے کے لئے گیا۔ اس کے بعد زیادہ تر پلنگ ہی پر پڑا رہا اور اسپین کے معاملات پر غور کرتا رہا۔

۲۸ اپریل سنہ ۲۰۰۰ء

آج کا دن نہایت اہم ہے۔ اسپین میں بادشاہ موجود ہے۔ لوگوں نے اسے پا لیا ہے۔ میں اسپین کا بادشاہ ہوں۔ مجھے آج ہی اس بات کا پتہ چلا اور یہ خیال میرے دل میں ایک برقی رو کی طرح دوڑ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اب تک اپنے آپ کو معمولی محرر کیوں سمجھتا تھا! ایسا پاگلانہ خیال میرے دماغ میں کیونکر سمایا۔ وہ تو خیریت ہوئی کسی کے دل میں خیال ہی نہ آیا کہ مجھے پاگل خانے بھیج دے۔ اب میری آنکھوں کے سامنے ہر چیز روشن اور واضح شکل میں موجود ہے۔ مجھے ہر چیز اس طرح نظر آ رہی ہے جیسے کوئی پہاڑی کی چوٹی پر سے ارد گرد کا منظر دیکھے لیکن پہلے — میری سمجھ میں نہیں آتا — اس سے پہلے ہر چیز پر ایک پردا سا پڑا ہوا تھا۔ غالباً یہ لوگوں کے اس تصور کا نتیجہ ہے کہ انسان کے سر میں عقل رہتی ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ وہ تو

ہواؤں کے ساتھ بحیرۂ کیسپین کی جانب سے آتی ہے۔ سب سے پہلے میں نے ماورا کو اپنے اس "عرفان" کی اطلاع دی۔ جس وقت اس نے یہ سنا کہ وہ شاہ اسپین کے سامنے کھڑا ہے وہ اچھل پڑا اور خوف کے مارے اس کا برا حال ہوگیا۔ اس بیوقوف نے آج تک اسپین کے بادشاہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن میں نے اسے مطمئن کرنے کی امکانی کوشش کی اور اس سے کہا کہ اگرچہ وہ کبھی کبھی میرے جوتوں پر اچھی طرح پالش نہیں کرتا لیکن میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ آخر معمولی آدمی ہے اس سے اہم مسائل پر گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ اس کے پریشان ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کے خیال میں اسپین کے ہر بادشاہ کو فلپ ثانی کے مانند ہونا چاہئے لیکن میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ فلپ ثانی اور مجھ میں کوئی مشابہت نہیں میں دفتر نہیں گیا۔ لعنت ہو دفتر پر۔ نہیں جناب۔ نہیں۔ آپ لوگ اب مجھے نہیں پاسکتے! میں آپ کے فضول کاغذات کی نقلیں کرتا ہوا نہیں بیٹھ سکتا۔

۸۶ مارچوبر

رات اور دن کے درمیان۔

آج دفتر کا دربان آیا اور مجھ سے دفتر چلنے کے لئے کہا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ تین ہفتے سے زیادہ مدت ہوچکی ہے اور آپ دفتر نہیں گئے ہیں۔ میں بھی تفریح کی خاطر دفتر چلا گیا۔ منتظم صاحب کو توقع تھی کہ میں انھیں سلام کرکے معافی مانگوں گا لیکن میں نے انتہائی بے پرائی

سے نظر ڈالی جس میں نہ خشونت ہی تھی اور نہ مروت ۔ اس کے بعد میں اپنی جگہ پر جاکر یوں بیٹھ گیا جیسے میں نے کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں ۔ میں نے ادھر اُدھر چپڑ قنا تیوں پر نظر ڈالی اور دل میں کہا "کاش تم لوگوں کو معلوم ہوتا کہ تمہارے پاس اس وقت کون بیٹھا ہوا ہے ...... اُفوہ کیا گڑبڑ ہوتی ۔ خود منتظم صاحب بھاگے ہوئے آکر مجھے اس طرح سلام کرتے، اور ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتے جیسی اس وقت وہ ناظم صاحب سے کرتے رہتے ہیں ۔

ان لوگوں نے چند کاغذات میرے سامنے لاکر خلاصہ کرنے کے لئے رکھے لیکن میں نے انھیں چھوا تک نہیں چند منٹ بعد یہ لوگ سرگرمی کا اظہار کرنے لگے معلوم ہوا کہ ناظم صاحب تشریف لارہے ہیں ۔ ایک کے بعد دوسرے اہلکار ناظم صاحب کو سلام کرنے کے لئے باہر گئے لیکن میں اپنی کرسی سے اٹھا تک نہیں ۔ جس وقت وہ ہمارے صیغے میں آئے تو ہر شخص پورے بٹن لگائے ہوئے سروقد کھڑا تھا لیکن میں نے کوئی توجہ نہیں کی ناظم صاحب ہیں کس کھیت کی مولی ! سمجھتے ہیں میں ان کے لئے کھڑا ہوں گا ۔ ہونہہ ہرگز نہیں ۔ کبھی نہیں ۔ ناظم صاحب ! ہونہہ ناظم صاحب کہاں کے ۔ وہ تو کٹ پتلی ہیں ۔ بالکل معمولی آدمی معمولی کٹ پتلیوں کی طرح جیسے نان بائیوں کی دکانوں میں رکھی رہتی ہیں بس اور اس سے زیادہ کیا ؟ لیکن سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ اس وقت ہوا جب انھوں نے دستخط کرنے کے لئے مجھے ایک کاغذ لاکر دیا ۔ ان کا

خیال تھا کہ اس کے نیچے میں لکھوں گا" محرر صیغہ فلاں" لیکن میں نے سب سے زیادہ نمایاں مقام پر دستخط کر دئے اور عین اس جگہ جہاں ناظم صاحب دستخط کرتے ہیں لکھا" فرڈ منینڈ ثالث" اس وقت کی خاموشی دیکھنے کے قابل تھی۔ سب کے سب ہو بچکے سے رہ گئے۔ لیکن میں نے ان سے اشارے سے کہا" آپ لوگ حلف وفاداری اور اظہار اطاعت کی زحمت نہ کیجئے" اور اٹھ کر سیدھا ناظم صاحب کے گھر گیا۔ دربان مجھے اندر نہیں جانے دیتا تھا لیکن میں نے اس سے کوئی ایسی بات کہدی جسے سنتے ہی وہ سن ہو کر رہ گیا۔ میں سیدھا" ان کے سنگار خانے میں پہنچا" وہ" سنگار میز کے سامنے بیٹھی ہوئی آئینہ میں صورت دیکھ رہی تھیں لیکن ——————

—————— لیکن جیسے ہی میری آواز سنی گھبرا کر مجھ سے دور ہٹ گئیں لیکن میں نے ان سے یہ نہیں کہا کہ میں اسپین کا بادشاہ ہوں۔ میں نے صرف اس قدر کہا کہ آپ کے لئے ایسی بے پایاں مسرتیں ہیں جن کا آپ تصور بھی نہیں کر سکیتں اور یہ کہ ہمارے دشمنوں کی سازشوں کے باوجود بھی ایک روز ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔ چونکہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا اس لئے وہاں سے چل دیا۔

انوہ! عورت۔ کیسی مکار مخلوق ہے! میں نے اب سمجھا عورت کتنی مکار ہوتی ہے آج تک دنیا میں کوئی شخص یہ نہ معلوم کر سکا کہ اسے دراصل محبت کس سے ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ عورت کو شیطان سے محبت ہے۔ ہاں یہ امر واقعہ ہے۔ تشریح الابدان

کے ماہرین ہر قسم کی خرافات لکھتے رہتے ہیں لیکن وہ کسی سے محبت نہیں کرتی سوا شیطان کے۔ دیکھو۔ وہ دیکھو تھیٹر میں بیٹھی ہے عینک لگائے ہوئے تمہارا خیال ہے کہ وہ اس موٹے آدمی کو دیکھ رہی ہے جس کے سینے پر ایک تمغہ آویزاں ہے نہیں جی۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو اس شیطان کو دیکھ رہی ہے جو اس کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے شیطان موٹے آدمی کے پیچھے چھپا ہوا ہے دیکھو۔ وہ دیکھو اسے اشارہ کر رہا ہے۔ اب یہ اس سے شادی کرے گی ضرور شادی کرے گی۔ سب چیزیں امنگوں کا نتیجہ ہیں اور امنگوں کا سبب ایک آبلہ ہے جو زبان کی جڑ میں ہوتا ہے۔ اس آبلہ میں ایک چھوٹا سا کیڑا رہتا ہے جیسے الپین کا سر اور یہ تمام کارستانیاں ایک نائی کی ہیں جو گوروخویا میں رہتا ہے۔ مجھے اس کا نام نہیں یاد آرہا ہے لیکن یہ تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اور ایک دایہ مل کر ساری دنیا میں اسلام پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فرانس کے ایک بڑے علاقے کے باشندے مسلمان ہو گئے ہیں۔

کوئی تاریخ نہیں۔

یہ دن بلا تاریخ تھا۔

میں بھیس بدلے ہوئے نیوسکی میں پھرتا رہا بلا اس امر کا اظہار کئے کہ میں شاہ اسپین ہوں۔ میرے خیال میں یہ آداب اور اخلاق سے بعید تھا کہ میں ہر شخص کو بتادوں کہ میں کون ہوں کیونکہ سب سے پہلے تو مجھے اپنے آپ کو دربار میں پیش کرنا ہے۔ اس وقت جو چیز مجھے روک

رہی ہے وہ یہ ہے کہ میرے پاس اسپین کا قومی لباس موجود نہیں۔ مجھے ایک جبّہ کی ضرورت ہے۔ میں نے خیال کیا تھا کہ ایک جبّہ درزی سے بنوالوں لیکن یہ درزی بھی عجیب گدھے ہیں!!! انھوں نے شہ بازی کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ اور اب مٹرگشت کو گئے ہیں۔ آخر میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اپنی نئی وردی سے جسے میں نے اب تک صرف دو مرتبہ پہنا ہے۔ ایک جبّہ بنالوں لیکن یہ سوچ کر کہ یہ بدمعاش خراب کر دیں گے۔ میں نے کمرہ بند کر کے خود ہی کام کرنا مناسب سمجھا تاکہ مجھے جبّہ بناتے ہوئے کوئی شخص نہ دیکھ سکے۔ میں نے قینچی لے کر وردی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ کیونکہ اُسے بالکل نئی وضع کا بنانا تھا۔

دن مجھے یاد نہیں اور
کوئی مہینہ نہیں تھا
خدا ہی جانے اصل میں کیا ہے

جبہ پہن کر میں بالکل تیار ہو گیا، اگرچہ میں ابھی کسی قطعی فیصلہ پر نہیں پہنچا ہوں کہ مجھے اپنے آپ کو دربار میں پیش کرنا چاہئیے یا نہیں۔ اسپین سے ابھی تک وفد نہیں آیا اور بغیر کسی وفد کے اپنے آپ کو پیش کرنا آداب کے خلاف ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے میری شان پر حرف آئے گا۔ اور میری عزت میں بٹہ لگ جائیگا۔ مجھے ہر لمحہ وفد والوں کا انتظار رہے۔

یکم۔

وفد والوں کی کاہلی پر مجھے بڑا تعجب ہو رہا ہے۔ آخر اس تاخیر کا سبب کیا ہے؟ کیا فرانس کے باعث؟ غالباً۔ بڑا خراب ملک ہے یہ میں نے ڈاک خانہ جا کر پوچھا کہ اسپین کا وفد آیا ہے یا نہیں۔ لیکن ڈاک منشی انتہائی بدھو تھا۔ اسے کچھ خبر ہی نہیں۔ اس نے کہا، نہیں۔ یہاں اسپینی نمایندے نہیں ہیں البتہ اگر آپ خط بھیجنا چاہیں تو معمولی ڈاک کی شرح سے خط روانہ کر دیا جائیگا۔ لاحول ولا قوت۔ بھلا خط بھیجنے سے کیا فائدہ؟ خط فقط لغویات کی پوٹ ہوتے ہیں اور صرف عطار ہی خط لکھا کرتے ہیں۔

میڈرڈ

۳۰ رفروری

آخر میں اسپین پہنچ ہی گیا اور اتنی جلدی کہ میری سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیونکر ہوا۔ آج اسپینی وفد حاضر ہوا تھا۔ میں اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا جس رفتار سے ہم سفر کر رہے تھے اسے دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ ہم اتنی تیزی سے گئے ہیں کہ نصف گھنٹہ میں اسپینی سرحد پر پہنچ گئے۔ اس کام کے لئے تمام یورپ میں ریلیں پھیلی ہوی ہیں اور جہاز بھی نہایت تیز ہیں۔ اسپین ایک غیر معمولی ملک ہے جس وقت پہلے پہل کمرے میں داخل ہوا تو کئی آدمی نظر آئے لیکن ان سب کے سر گھٹے ہوے تھے۔ میں نے فوراً ہی سمجھ لیا کہ یہ لوگ یا تو امراء عظام میں سے ہیں۔ یا سپاہی کیونکہ یہ ہمیشہ سر گھٹائے رہتے ہیں۔ لارڈ چانسلر کے رویہ پر البتہ مجھے

بڑا تعجب ہوا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے کے سامنے پہنچا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کمرے کے اندر دھکیل کر کہا "آپ یہاں رہئے لیکن اگر حضور نے پھر اپنے آپ کو فرڈ یننڈ ثالث کہا تو مار مار کر یہ احمقانہ خیال تمھارے سر سے نکال دوں گا" لیکن میں جانتا تھا کہ یہ میرے استقلال کی آزمائش ہے اس لئے میں نے استقلال سے جواب دیا۔ اس پر چانسلر نے لکڑی سے دو مرتبہ میری پیٹھ پر اس بری طرح مارا کہ میرے آنسو نکل پڑے اور قریب تھا کہ میں بلبلا کر چلا اٹھوں لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ مجھے یاد آگیا کہ اگلے زمانے میں یہ رسم تھی کہ جس وقت کوئی شخص کسی بڑے عہدے پر مامور کیا جاتا تو اس کی ایسے ہی طریقوں سے آزمائش کی جاتی تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اسپین میں پرانی روایات کی بڑی پابندی کی جاتی ہے۔ تنہائی میں میں نے معاملات سلطنت پر غور کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ چین اور اسپین اصل میں ایک ہی ملک ہے اور صرف جہالت کے باعث لوگ انھیں دو علحدہ ملک تصور کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میں تجربہ کرنے کے لئے لوگوں سے کہتا ہوں کہ وہ اگر کاغذ پر اسپین لکھیں تو چین ہی نظر آئے گا۔ مجھے ایک بات سے نہایت صدمہ ہو رہا ہے اگرچہ یہ واقعہ کل پیش آنے والا ہے۔ کل صبح ایک بڑی حیرت انگیز بات ہوگی اور وہ یہ کہ زمین چاند پر سوار ہو جائے گی۔ مشہور انگریز سائنسدان ولنگٹن نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ جس وقت میں نے چاند کی انتہائی نزاکت کا تصور کیا میرا

دل کانپنے لگا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور سے چاند ہمبرگ میں بنایا جاتا ہے لیکن بڑے بھونڈے طریقہ سے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انگلستان والے اس پر خاموش کیوں ہیں۔ چاند کو ایک لنگڑا کپتی بنانے والا بناتا ہے اور بلاشبہ ایسا احمق ہے کہ چاند کے متعلق نہ کچھ جانتا ہے اور نہ سمجھتا ہے چنانچہ پھٹے پرانے کپڑے اور نہایت گھٹیا قسم کا تیل چاند بنانے میں استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے ایسی بدبو پیدا ہوتی ہے کہ ساری دنیا کو اپنی ناک بند کر لینی پڑتی ہے۔ اسی باعث چاند اس قدر نازک بن گیا ہے کہ ایک شخص بھی چاند پر نہیں رہ سکتا۔ بس ناکیں ہی ناکیں رہتی ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ زمین کتنی بھاری ہے اور چاند پر سوار ہو جانے سے ناکیں کس طرح پس کر سرمہ ہو جائیں گی ـــــ مجھے بڑی پریشانی ہوئی میں نے جلدی جلدی جوتے اور پتلون پہنے اور بھاگتا ہوا مجلس مملکت کے دفتر پہنچا تاکہ پولیس کے نام احکام جاری کر دیئے جائیں اور زمین کو چاند پر سوار ہونے سے روکنے کا انتظام کیا جائے۔ سر گھٹے ہوئے امرا جو ایوان مجلس میں کثرت سے موجود تھے نہایت سمجھدار ثابت ہوئے اور جس وقت میں نے ان سے کہا "حضرات! ہمیں چاند کو بچانا چاہیئے کیونکہ زمین چاند پر سوار ہونے والی ہے" تو یہ لوگ سب کے سب فوراً ہی باہر بھاگے تاکہ میری شاہانہ خواہش پوری کریں۔ ان میں سے بہت سے تو دیواروں پر چڑھ گئے تاکہ چاند تک پہنچ جائیں۔ عین اسی وقت میر مجلس صاحب تشریف لائے اور جب لوگوں نے انھیں دیکھا تو

سب کے سب ادھر ادھر بھاگ گئے۔ صرف میں ہی باقی رہا۔ آخر میں بادشاہ تھا نا۔ لیکن میر مجلس نے مجھے لکڑی سے مارنا شروع کیا اور مجھے میرے کمرے میں ڈھکیل کر بند کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا اس نے ایسا کیوں کیا۔ اسپین کی فوجی روایات کتنی قوی ہیں۔

اس سال کا جنوری جو

فروری کے بعد آیا

ابھی تک میں یہی کسی نیتجہ پر نہیں پہنچ سکا کہ اسپین آخر ہے کس قسم کا ملک عوام کے رسم و رواج اور درباری آداب و اخلاق حیرت انگیز اور عجیب و غریب ہیں۔ میری سمجھ میں نہ تو اب تک آئے ہیں اور نہ میں انھیں سمجھ سکتا ہوں۔ آج انھوں نے میری حجامت بنائی۔ پورا سر صفا چٹ کر دیا گیا۔ اگرچہ میں چلا تا رہا کہ میں پادری نہیں بننا چاہتا لیکن جب انھوں نے میرے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا شروع کیا تو میں نہیں بتا سکتا کہ اس وقت میرا کیا حال ہوا۔ زندگی میں کبھی ایسی مصیبت کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ میری حالت مجنونوں اور پاگلوں کی سی ہو گئی تھی اور ان کے لئے مجھے سنبھالنا مشکل تھا۔ یہ عجیب و غریب رسم میری سمجھ سے باہر ہے۔ ان بادشاہوں کی حماقت بھی میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتی جنھوں نے اس رسم کو قایم رکھا ہے۔ امکانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید میں محکمہ احتساب کے شکنجے میں پھنس گیا ہوں اور جس شخص کو میں نے میر مجلس سمجھا تھا در اصل محتسب اعظم ہے۔ مگر اس میں بھی ایک

بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بھلا خود بادشاہ کا محاسبہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ فرانسیسی خصوصاً پولگ ناک کے سبب سے ہو کمبخت درندہ پولگ ناگ! بدمعاش نے قسم کھائی ہے کہ مجھے تکلیفیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بدمعاش ہر جگہ میرا پیچھا کر رہا ہے لیکن جناب! جانتا ہوں کہ آپ کس کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ یہ انگریز ہے جس کے ہاتھ میں آپ کی لگام ہے۔ انگریز بڑے چالباز ہوتے ہیں۔ وہ گھن کی طرح کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ ساری دنیا جانتی ہے کہ انگلستان جس وقت ناس لیتا ہے فرانس کو چھینک آتی ہے۔

تاریخ ۲۵

آج محتسب اعظم کمرے میں آیا لیکن اس کے قدموں کی چاپ سن کر میں کرسی کے نیچے چھپ رہا۔ مجھے سامنے نہ پاکر اس نے پکارنا شروع کیا۔ پہلے اس نے "پاپ ری شین" پکارا۔ میں چپ رہا۔ پھر "آک سن بی-آی وانو دچ! اہلکار، جاگیردار" لیکن میں پھر بھی خاموش رہا۔ آخر میں اس نے کہا "فرڈ نینڈ ثالث، شاہ اسپین۔ قریب تھا کہ میں سر باہر نکالوں لیکن پھر میں نے دل میں کہا میرے یار! نہیں اس طرح تم نہیں پکڑ سکتے۔ میں جانتا ہوں تمہارا مقصد کیا ہے۔ میں جانتا ہوں تم پھر میرے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالوگے" لیکن اس نے مجھے دیکھ لیا اور لکڑی سے مار مار کر آخر باہر نکال کر ہی

چھوڑا۔ بڑی حیرت انگیز بات ہے کمبخت لکڑی سے کتنی چوٹ لگی ہے!! لیکن میرے آخری انکشاف سے مجھے پورا معاوضہ مل گیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہر مرغ میں اپنا اسپین ہوا کرتا ہے جو اس کے پروں کے پیچھے چھپا رہتا ہے۔ محتسب اعظم نہایت غصہ کی حالت میں واپس گیا۔ جاتے وقت اس نے مجھے دھمکی دی کہ اب وہ مجھے نئے طریقے سے سزا دے گا۔ لیکن میں اس کے بزدلانہ غیظ و غضب پر بالکل خاموش رہا کیونکہ مجھے معلوم ہے وہ فقط ایک مشین کے مانند اور انگلستان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔"

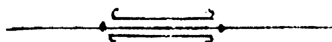
تاریخ ۳۴ ماہ ۳۴۹ ھ ب

نہیں اب میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر یہ لوگ میرے ساتھ کیسی کیسی حرکتیں کر رہے ہیں۔ کبھی میرے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالتے ہیں اور کبھی مارتے ہیں۔ نہ تو میری طرف دیکھتے ہیں، نہ بات سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ میں نے آخر ان کا بگاڑا کیا ہے؟ یہ لوگ مجھے کیوں ایسی تکلیفیں دے رہے ہیں؟ افسوس یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میرے پاس دھرا ہی کیا ہے۔ جو انھیں دے سکوں میں اب یہ مصیبت زیادہ دن برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا سر تنور بنا ہوا ہے اور میرے گرد ہر چیز گھوم رہی ہے۔ مجھے بچاؤ۔ مجھے لے چلو مجھے طوفان سے بھی تیز گھوڑے دو۔ میری برفانی کشتی چلانے والے آ اور جلد آ۔ میری برفانی کشتی گھنٹیاں بجا۔ میرے اعلیٰ گھوڑوں کو باندھ

دے اور اس دنیا سے لے چل۔ آگے اور آگے تاکہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ دیکھ سکوں۔ دیکھو۔ آسمان میری نظروں کے سامنے گھوم رہا ہے دور ایک ستارہ چمک رہا ہے۔ جنگل دوڑتا ہوا گذر جاتا ہے اس کے ساتھ چاند اور تاریک درخت بھی۔ کہر نیلا کہر میرے پاؤں کے نیچے ہے اور کہر میں مجھے تاروں کی تھرتھراہٹ سنائی دے رہی ہے۔ میرے ایک جانب سمندر ہے اور دوسری طرف ..... اور.... وہ چھوٹے چھوٹے روسی مکان۔ ارے وہ تو دور اس طرف میرا مکان معلوم ہوتا ہے اور وہ شاید میری ماں بیٹھی ہوئی ہے۔ کھڑکی سے قریب۔ اماں! اماں! اپنے بدنصیب مصیبت زدہ بیٹے کو بچاؤ۔ اس کی لاش پر ایک آنسو ٹپکا دو! دیکھو اس کے ساتھ کتنی ناانصافی ہوئی اور کس قدر تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ اپنے غمگیں یتیم بچے کو سینے سے لپٹا لو۔ اماں! لوگ اس کا پیچھا کر رہے ہیں اور دنیا میں چھپنے کیلئے اسے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ اماں! رحم کرو اپنے تھکے ماندے بچے پر!

— لیکن کیں تمہیں معلوم ہے کہ الجزائر کا ڈے (یعنی "بے") ہے نا! اس کی ناک کے بالکل نیچے ایک بڑا سا گومڑ نکلا ہوا ہے ؟؟؟

عقاب



عقاب کے متعلق شعرا نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ہمیشہ تعریف ہی میں۔ ہے بھی بڑا شاندار پرندہ۔ اس کی نظریں تیز ہوتی اور وہ بڑی آن بان سے پرواز کرتا ہے۔ سچ پوچھو تو وہ دوسرے پرندوں کے مانند اڑتا نہیں بلکہ فضا میں تیرتا ہے۔ اس کے علاوہ آفتاب سے نظریں لڑاتا اور طوفان کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔ بعض مصنفوں نے اس کی اعلیٰ ظرفی اور اولوالعزمی کی تعریف بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کسی پولیس مین کی شان میں قصیدہ لکھنا چاہیں تو اسے عقاب سے یوں تشبیہ دیں گے کہ پرعظمت اور باوقار عقاب کے مانند پولیس سرجنٹ نمبر فلاں نے مشتبہ شخص کی طرف دیکھا جھپٹ کر پکڑا بیان سنا اور بڑے دبدبے کروفر اور متانت سے رہا کر دیا۔

ایک زمانہ تھا جب میں بھی ان قصیدوں پر سر دھنتا اور اکثر

دل میں کہتا تھا۔ کتنا شاندار خیال ہے۔ پکڑ لیا ..... اور معاف کر دیا البتہ معاف کر دینا ہی وہ بات تھی جو اکثر اوقات میرے دل میں کھٹکتی اور عجیب سی معلوم ہوتی۔ کسے معاف کر دیا؟ کسی چوہے کو؟ کسی پریشان حال چوہے کو؟ میں دوڑ کر کسی شاعر دوست کے پاس پہنچتا۔ عقاب کے اس نئے شاندار کارنامے کا ذکر کرتا اور میرا شاعر دوست شاعرانہ انداز اختیار کر کے زور سے سانس لیتا اور اس کے بعد ــــ شعر سازی کی دھن میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا۔

ایک روز میں نے دل میں سوچا" عقاب نے آخر چوہے کی کونسی خطا معاف کی؟ چوہے نے صرف یہی کیا تھا نا کہ اپنی ذاتی ضرورت سے گلی کے ایک جانب سے دوسری طرف چلا گیا تھا۔ عقاب نے اسے دیکھا۔ جھپٹا مارا اور چوہے کو دبوچ کر تقریباً ادھ موا کر کے ــــ قصور معاف کر دیا۔ لیکن آخر عقاب ہی نے چوہے کو کیوں معاف کیا۔ چوہے نے عقاب کو کیوں نہیں؟ میں نے اپنے اردگرد کے حالات اور واقعات پر غور کرنا شروع کیا لیکن جتنا جتنا غور کیا پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے سوچا اس میں ضرور کوئی نہ کوئی راز ہے

مثلاً پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ عقاب چوہوں کو معاف کر دینے کے لئے نہیں پکڑتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر عقاب نے چوہے کو معاف بھی کر دیا تب بھی میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر عقاب چوہے کے معاملات میں مداخلت ہی نہ کرتا تو بہتر تھا۔ تیسری اور آخری بات

یہ کہ مانا وہ عقاب ہے بلکہ عقاب اعظم ——— پھر بھی ایک پرندہ ہی تو ہے اور چونکہ اس کے پرند ہونے سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے پولیس مین کو اس سے تشبیہ دینا غلط فہمی کی بنا پر ہی توصیفی ہو سکتا ہے۔

عقابوں کے متعلق میری قطعی رائے یہ ہے کہ عقاب، عقاب ہی ہوتے ہیں۔ وہ صرف پھاڑ کھانے والے پرندے ہوتے ہیں۔ شکاری۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ قدرت نے خود ہی انہیں بسری جوروں کے خلاف بنایا ہے چونکہ وہ دور نظر تیز حسیت بیرحم اور طاقتور ہوتے ہیں اس لئے یہ بات فطرت کے بالکل خلاف ہے کہ اگر کبھی وہ سامنے آجائیں تو ساری پروازی مخلوق ان کی نظر سے بچنے کو ادھر ادھر کہیں پوشیدہ ہو جائے۔

ایسا کیوں ؟ صرف خوف کے باعث ادب کے باعث نہیں جیسا کہ عام طور سے شعرا کہا کرتے ہیں۔ عقاب عموماً تنہائی میں آبادی سے دور رہا کرتے ہیں۔ اور کسی کے ساتھ "کھان پان" میں شریک نہیں ہوتے بلکہ ڈکیتی اور لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے ہیں اور جب کبھی اس کام سے فرصت ملتی ہے سو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ عام عقابوں کے برخلاف اتفاق سے ایک عقاب تنہائی کی زندگی سے اکتا گیا اس نے اپنی مادہ سے کہا "یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ دن بھر کوئی کام نہیں بس گھورتے رہتے ہیں بیٹھے ہوئے آفتاب کو

سر چکرا جاتا ہے۔ میرا تو اس زندگی سے جی بیزار ہو گیا ہے۔"

اس نے سوچنا شروع کیا لیکن جیسا جیسا غور کیا یہ خیال پختہ ہوتا گیا کہ اسے بھی اسی طرح زندگی بسر کرنا چاہیئے جس طرح قدیم زمانے کے جاگیردار رہا کرتے تھے۔ اس نے سوچا کہ اس وقت میرے پاس بہت سے خادم خدمتگار ہوں گے اور میں دن بھر چین کی بنسی بجا دوں گا بلطفیں شرمناک افسانے سنائیں گے۔ توتے قلا بازیاں کھا کر تماشے دکھائینگے بلبلیں مدح سرائی کریں گی، الّو اور چمگادڑ نگہبانی کریں گے۔ شکرے اور باز وغیرہ اذوقہ مہیا کریں گے، اور خود مجھے خون کی پیاس کے سوا کوئی اور کام نہ رہے گا۔

عرصہ تک سوچنے اور غور کرنے کے بعد اس نے رئیس بن جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن شکرے اور باز کو بلا کر کہا" مجھے ایسے ملازمین کی ضرورت ہے جیسے پرانے زمانے میں رئیسوں کے درباروں میں ہوا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا صرف یہ کام ہو گا کہ میرا دل بہلایا کریں۔ میں انھیں اچھی طرح اور آرام سے رکھوں گا۔ اس طرح میرے لئے دلچسپی کا سامان ہو گا اور انھیں فائدہ پہنچے گا۔

عقاب کا عندیہ ملتے ہی شکاری پرندے تعمیل حکم کے لئے روانہ ہو کر تیزی سے اپنے کام میں مشروف ہو گئے۔ سب سے پہلے وہ بلطخوں کے ایک جھنڈ کو گھیر لائے۔ ان کے نام درج رجسٹر کر کے انھیں پاسپورٹ دیدیئے گئے۔ دنیا جانتی ہے کہ بلطخ بڑی کثیر اولاد ہوتی اور ہر حال میں

مگن رہتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسانوں کے بالکل مماثل ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسان کسی مقام پر بس جائیں تو باقی سارا انتظام نہایت آسانی سے ہو جاتا ہے۔ بلطخیں بھی کسانوں کی طرح رہنے لگیں۔

ہری جگ اور کیچڑ خور کو نوبت خانے پر مامور کیا گیا۔ توتوں کو بازیگروں کا لباس پہنایا گیا۔ کوے کو جو بادی چور تھا خزانے کی کنجی سپرد کی گئی۔ الّو اور چمگادڑ چوکیداری پر مامور کئے گئے اور ایسا انتظام کیا گیا جس پر بڑے سے بڑا رئیس بھی فخر کر سکتا تھا۔ کوئل بھی فراموش نہیں کی گئی چنانچہ عقاب کی مادہ کے لئے اسے بخومی کے عہدے پر مامور کیا گیا اور یتیم کوئلوں کے بچوں کے لئے ایک دواخانہ بھی قائم کر دیا گیا۔

لیکن یہ سارے انتظامات رو بہ عمل آنے کے ابتدا ہی میں منتظموں نے محسوس کیا کہ ابھی کس چیز کی ضرورت ہے۔ عرصہ تک ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ آخر کار انھیں یاد آیا کہ بڑے بڑے درباروں میں سائنس اور فنون لطیفہ کی سرپرستی بھی ضروری تصور کی جاتی ہے حالانکہ انھوں نے دو میں سے ایک کا بھی انتظام نہیں کیا تھا اور تین پرندوں ــــــ پودنہ بلبل اور ہدہد ــــــ کو خاص طور سے شکایت بھی تھی۔

پودنہ ننھی سی جان تھا لیکن بچپن ہی سے اس نے گانا سیکھنے

کی مشق شروع کر دی تھی۔ پہلے تو اس نے مذہبی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ دن فوج کا منشی رہا جس کے بعد اعراب و اوقاف کی مبادیات سیکھتے ہی اس نے ایک اخبار جاری کر دیا جس کا نام جنگل گزٹ تھا۔ اگرچہ اس پر احتساب نہیں ہوتا تھا پھر بھی کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ پود نہ اخبار کو اچھی طرح چلا نہ سکا کیونکہ وہ جس مضمون پر لکھنا چاہتا اسے ممنوع پاتا اور جس موضوع کا ذکر کرنے سے گریز کرتا اس کے متعلق بعد میں معلوم ہوتا کہ اسے اسی موضوع پر لکھنا چاہئے تھا۔ چونکہ ان فروگذاشتوں کی بنا پر وقتاً فوقتاً اس کی مرمت اور مزاج پرسی ہوتی رہتی تھی، اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ " میں بھی عقاب کی ملازمت میں داخل ہو جاؤں گا اس وقت میرے ذمہ صرف اتنا کام ہوگا کہ ہر روز صبح کو عقاب کی شان میں گیت گاؤں پھر مجھے کوئی سزا نہ دے سکیگا، اور میں چین سے رہ سکوں گا۔

ہد ہد ایک خاموش اور محنتی پرندہ تھا۔ وہ تنہائی میں زندگی بسر کرتا تھا اور اس کے کوئی ملاقاتی نہ تھے۔ بہت سے لوگ تو اسے عالم و فاضل اشخاص کے مانند شرابی تصور کرتے تھے۔ وہ دن بھر تنہا کسی درخت کی شاخ پر بیٹھا رہتا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دماغ میں ہر قسم کے معلومات جمع کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس نے بہت جلد تاریخی تحقیقات کا پورا صحرائے اعظم عبور کر لینے میں کامیابی حاصل کر لی۔

"ایک شیطان کے خاندانی اسناد"
"جھاڑو سوار بڑھیا کی شادی ہوی تھی یا نہیں"
"رجسٹرات میں جادوگروں کو کونسی صنف میں درج کرنا چاہئیے"
وغیرہ وغیرہ۔

لیکن باوجود اتنی کوششوں کے بیچارے کو ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو اس کی تحقیقات کو شائع کرتا۔ آخرکار اس کے دل میں خیال آیا "عقاب کا درباری مورخ کیوں نہ بن جاؤں؟ ممکن ہے اس طرح میری تحقیقات کی اشاعت کا انتظام ہو جائے۔"

رہا بلبل تو اسے قسمت کے مظالم کی شکایت نہ ہو سکتی تھی، اس کے نغمات سے نہ صرف اونچے اونچے شاندار درخت مسحور ہو جاتے بلکہ ماسکو کے کوڑمغز تاجر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ساری دنیا اس سے محبت کرتی تھی اور ہر شخص اس کے دلکش نغمے سن کر مسرت و بیخود ہو جاتا جس وقت وہ کسی درخت کی شاخ پر پتوں میں چھپ کر نغمہ سرائی کرتا ساری دنیا خاموش ہو کر گوش برآواز ہو جاتی۔ لیکن بلبل کے ارادے بلند تھے۔ اسے محبت ہو گئی سارا جنگل اس کے طوفانی نغموں سے گونج اٹھتا لیکن اسے سکون قلب حاصل نہ تھا۔ غمگین دلوں میں اس کے نغمات سما جاتے لیکن ---- اسے ہر وقت یہی خیال رہتا کہ وہ دن کب آئے گا جب عقاب اس کے گلے میں چیونٹیوں کے سفید انڈوں کی چمکتی ہوئی مالا پہنائیگا

اور عقاب کی مادہ چاندنی راتوں میں تنہائی کے مقامات پر چھپ چھپ کر ملاقاتیں کرے گی۔

ان پرندوں نے باز سے بار بار کہہ کر اتنا پریشان کیا کہ آخر اسے عقاب کی خدمت میں گذارش پیش کرنے کا وعدہ کرنا ہی پڑا۔

عقاب نے سائنس اور فنون لطیفہ کی ترقی کے بارے میں باز کی باتیں غور سے سنیں لیکن سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے اپنے چنگال تیز کئے اور اس کی آنکھیں آفتاب کی روشنی میں جواہرات کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اخبار نہیں دیکھا تھا۔ نہ جادوگروں میں دلچسپی لی تھی اور نہ کبھی جھاڑو پر سوار ہونے والی بڑھیا میں۔ بلبل کے متعلق اس نے صرف اتنا سنا تھا کہ وہ ایک ننھا سا پرندہ ہوتا ہے، جس کے خون سے چونچ کو تر کرنا بھی فضول ہے۔

"میرے خیال میں سرکار کو معلوم نہیں کہ بونا پارٹ مرچکا ہے" باز نے کہا۔

"بونا پارٹ کون تھا؟" عقاب نے سوال کیا۔

"یہ دیکھئے حضور کو اس کے متعلق ضرور معلوم ہونا چاہئے" باز نے کہا۔ "فرض کیجئے لوگ آپ کے پاس آئیں۔ بات چیت شروع ہو اور وہ کہیں کہ "بونا پارٹ کے زمانے میں یہ واقعہ ہوا تو آپ آنکھیں جھپکنے

بیٹھے رہیں گے۔ مگر یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوگی۔"

مشورے کیلئے اُلّو کو بلایا گیا۔ اس نے بھی باز کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ دربار میں سائنس اور فنون لطیفہ کو جگہ ملنی چاہئے کیونکہ عقابوں کی تفریح ہوتی ہے اور معمولی فانی نفوس کو بھی دوسرے لطف اٹھانے میں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ علم روشنی ہے اور جہل تاریکی۔ کھانا پینا تو گدھے بھی جانتے ہیں۔ لیکن کسی مسئلہ کا حل کرنا دوسری بات ہے۔ مثلاً بطخوں کے جھنڈ والا مسئلہ ہی لے لیجئے۔ پرانے زمانے کے ہشیار زمیندار اور جاگیر دار اس کے راز سے واقف تھے۔

انھیں معلوم تھا کہ جو شخص کسی چیز سے پہلے ہی واقف ہو وہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے تیار بھی رہتا ہے۔ یہ لوگ اپنے نفع و نقصان کو خوب سمجھتے تھے اور انھیں یہ معلوم رہتا تھا کہ ان کی روٹی کس طرف چپڑی ہوئی ہے۔

"میں" اُلّو نے کہا "تاریکی میں دیکھ سکتا ہوں اور اسی لئے عقلمند کہلاتا ہوں آپ آفتاب کی سمت گھنٹوں دیکھ سکتے ہیں اور پلک نہیں جھپکاتے لیکن آپ کے متعلق سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ عقاب ذرا کم فہم ہے۔"

"خیر۔ مجھے سائنس پر کوئی اعتراض نہیں۔" عقاب نے چڑ کر کہا۔

حکم ملنے کی دیر تھی۔ دوسرے ہی دن عقاب کی سلطنت میں سنہرا دور شروع ہوگیا۔ گڑگڑیوں نے۔

ہمیں علم کی روشنی دیجئے

کا گیت زبانی یاد کرنا شروع کیا۔ ہری چگ اور ریپچر خود بگل بجانے کی مشق کرنے لگے۔ توتوں نے نئے نئے کرتب ایجاد کئے بطخوں پر ایک نیا ٹیکس لگایا گیا جس کا نام "تعلیمی ٹیکس" تھا۔ چیلوں اور گدھوں کے لئے ادارہ علمی اور الوؤں کے لئے سائنس اکاڈمی قائم کی گئی۔ بطخوں کے بچوں کے لئے پیسے پیسے والے قاعدے خرید ے گئے اور آخر میں اسٹارلنگ عہ کو ملک الشعراء کے معزز عہدے پر مامور کرکے حکم دیا گیا کہ دوسرے دن بلبل سے دربار عام میں مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرے۔

دوسرے روز منتخب شدہ چیڑ فناتی مصاحب عقاب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقابلہ شروع ہوا۔ ان میں سب سے کامیاب پودنا رہا۔ اس نے کوئی قصیدہ پڑھنے کے بجائے ایک مضمون پڑھا اتنی آسان اور سادہ زبان میں جسے سن کر خود عقاب نے بھی یہ خیال کیا کہ وہ اسے سمجھ گیا ہے۔ اس نے کہا کہ لوگوں کو فارغ البالی اور اطمینان سے رہنا چاہیئے جس پر عقاب نے پسندیدگی کا اظہار

عہ ایک نقال پرندہ جو آسانی سے سدھ جاتا ہے۔

کرتے ہوئے کہا " بالکل ٹھیک " پھر اس نے کہا کہ اگر وہ اپنا اخبار اچھی طرح فروخت کر سکے تو اسے کسی دوسری چیز کی پروانہ رہے گی اور عقاب نے پھر کہا " بالکل درست " اس نے کہا کہ ملازم کی زندگی آقا کی زندگی سے بہتر ہے کیونکہ آقاؤں پر بڑی بڑی ذمہ داریاں ہوتی ہیں حالانکہ ملازم اپنے آقا کی حفاظت میں رہتا ہے اور اسے کسی قسم کی فکر نہیں ہوتی۔ اس پر عقاب نے پھر کہا " بالکل صحیح "

اس کے بعد پودنے نے کہا " اس زمانے میں جبکہ میرے پاس میرا ضمیر موجود تھا پہننے کے لئے صرف دو پجامے تھے لیکن اس وقت جبکہ میں نے ضمیر کی مصیبت سے نجات حاصل کرلی ہے، تلے اوپر دو پجامے پہنا کرتا ہوں۔ عقاب نے ایک بار پھر سر ہلاتے ہوئے فرمایا " بالکل ٹھیک " لیکن چونکہ پودنے کی داستان بہت لمبی تھی اس لئے عقاب نے بیزار ہوکر چڑ چڑی آواز میں کہا " کسی دوسرے کو بلاؤ "

ہدہد نے عقاب کا نسلی سلسلہ آفتاب سے ملاتے ہوئے کہا " میں نے بابا جان مرحوم سے یہی سنا ہے " اس کے بیان کے بموجب آفتاب کے دو بیٹے، عقاب اور شیر اور ایک بیٹی یعنی مگرمچھلی تھی۔ مگر نے کچھ بدتمیزی کی اس لئے آفتاب نے اسے سمندروں پر حکومت کرنے کے لئے بھیجدیا شیر اپنے باپ کے راستہ سے ہٹ گیا تھا اسلئے آفتاب نے اسے ریگستان کا بادشاہ بنا دیا لیکن عقاب اپنے باپ کا

چھپتا بیٹھا تھا اسلئے آفتاب نے اسے ہمیشہ اپنے قریب رکھا اور اسے فضا کا حکمران بنا دیا۔

قبل اس کے کہ بے چارہ ہد ہد اپنی تصنیف کی ہوئی تاریخ کا دیباچہ ختم کرتا عقاب پکار اٹھا "دوسرا۔ دوسرا۔ کوئی اور" اس وقت بلبل نے اپنا نغمہ شروع کیا لیکن بے چارہ شروع ہی سے بے سُرا ہو گیا اُس نے چیڑ فنا پتوں کی اس سرت کا نغمہ گایا جو انھیں یہ معلوم کر کے ہوئی تھی کہ خدا نے ان کے لئے ایک آقا بھیجدیا ہے اُس نے عقاب کی شان و شوکت کے گیت گائے اور چیڑ فنا پتوں کو "بخشش" دینے کے بارے میں عقاب کی سخاوت کا خیال بیان کیا لیکن اگرچہ اس نے حقیقی چیڑ فنائی لہجے میں گانے کی امکانی کوشش کی لیکن اس کا جمالیاتی ذوق مانع ہوا اور اسے اپنے ارادے میں سخت ناکامی ہوئی۔ اگرچہ وہ اس وقت سر سے پاؤں تک چیڑ فنائی بنا ہوا تھا اور اس نے پوری مصاحبانہ درباری وضع بنالی تھی لیکن اس کا آرٹ چیڑ فنائیت کا تابع نہ ہو سکا اور ہزار کوشش کے باوجود اپنے اصلی رنگ میں جھلکتا رہا چنانچہ اس کا سارا گانا پھیکا رہا اور وہ کسی کو خوش نہ کر سکا "کیا کان کھا رہا ہے" عقاب نے غصہ سے کہا "ملک الشعرا کو بلاؤ"

ملک الشعرا اس وقت اپنے بہترین رنگ میں تھے۔ انھوں نے خوشامد اور چاپلوسی کے لئے پہلے ہی سے عنوانات منتخب کر لئے تھے

اس لئے اتنے اچھے طریقے سے اپنے راگ الاپے کہ عقاب کی زبان سے آخر تک "واہ واہ" اور "سبحان اللہ" کے الفاظ نکلتے رہے۔ مشاعرہ ختم ہونے پر عقاب نے ملک الشعراء کے گلے میں چیونٹیوں کے انڈوں کی سفید مالا ڈالی، بلبل کی طرف تیوری ڈال کر دیکھا اور چیخ کر کہا ——— "نکالو اس بدمعاش کو دربار سے۔ لے جاؤ"

بلبل کے حسین خوابوں کا محل ایک لمحہ میں مسمار ہو گیا۔ اسے فوراً ہی پکڑ کر مرغیوں کے ڈربے میں بند کر دیا گیا اور اس کے بعد ایک شراب فروش کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جو شراب فروشی کے علاوہ ہوٹل کا بھی کاروبار کرتا تھا۔ بیچارہ بلبل اس ہوٹل میں اپنے شیریں زہر سے مدہوش لڑکھڑاتے ہوئے شرابیوں کے دلوں کو مسحور کرتا رہتا ہے۔

عوام کو تعلیم دینے کا شغل ترک نہیں کیا گیا۔ نوجوان گدھ اور شکرے پابندی سے روزانہ جمنازیم جاتے۔ سائنس اکیڈمی نے ایک لغت چھپوانا شروع کیا اور الف کی ردیف ختم کر دی۔ ہدہد نے "ایک شیطان کی خاندانی تاریخ" کی دسویں جلد مکمل کر لی لیکن بوم خاموش تھا۔ بالکل خاموش کیونکہ اسے ابتدا ہی سے یقین تھا کہ یہ تعلیمی جوش اچانک ختم ہو جائے گا۔ اس کے خیالات بظاہر صحیح معلوم ہوتے تھے۔

خرابیوں کی ابتدا، الو اور شکرے کی ایک بڑی غلطی سے ہوئی

تعلیمی نگرانی پر یہی دونوں مامور تھے۔ انھوں نے سوچا کہ عقاب کو بھی لکھنا پڑھنا سکھا دیں چنانچہ انھوں نے اسے آسان صوتیاتی اصول پر پڑھانا شروع کیا لیکن سال بھر کی پوری کوششوں کے بعد بھی وہ دستخط کرتے وقت "عقاب" کے بجائے "اُقاب" ہی لکھتا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھی دولت مند اور معتبر مہاجن اس کی دستاویزیں قبول نہ کرتا تھا۔

الّو اور شکرے نے ایک اور بڑی غلطی کی چنانچہ عام "ملاجیوں" کے مانند یہ بھی اپنے شاگرد کو ایک منٹ کے لئے بھی آرام نہ لینے دیتے چنانچہ الّو صاحب کا حال یہ تھا کہ ہر وقت عقاب کے پیچھے لگے رہتے اور "زَ زَ زَ زَ زَا - کَ کَ کَ کَ کا - بَ بَ بَ بَ بَا - دَ دَ دَ دَ دَا" کہتے رہے۔ ادھر شکرہ عقاب کے دماغ پر ہر وقت اس خیال کی ضربیں لگاتا رہتا کہ حساب کے چار اصول جانے بغیر شکار کو تقسیم کرنا ناممکن ہے۔

"فرض کرو تم نے راج ہنس کے چار بچے اڑا لئے۔ ان میں سے تم نے دو تھانیدار کے محرر کو دئے اور ایک خود کھا لیا تو باقی کتنے بچے؟" شکرے نے ملامت آمیز لہجہ میں سوال کیا۔ عقاب اس کا جواب نہ دے سکا اور خاموش رہا لیکن دل میں شکرے کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی جس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز حالات نازک ہوتے گئے اور ساز شیوں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کی

رہنما چیل تھی چنانچہ اس نے کوئل کو بھڑکایا اور اس نے عقاب کی مادہ کے کان بھرنے شروع کیے "یہ لوگ پڑھا پڑھا کر ہمارے آقا کی جان ہی لے کر رہیں گے"

عقاب کی مادہ نے عقاب کو "لال بجھکڑ۔ لال بجھکڑ" کہہ کر چڑانا شروع کر دیا۔ اب سازشیوں نے گدھ کو تاکا اور اس کے دل میں "برے خیالات اور جذبات" پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

ایک روز صبح تڑکے جب عقاب کی آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی اور ابھی وہ اپنی آنکھیں مل رہا تھا اُلّو حسب معمول آپہنچا اور اس کے کانوں میں "دَدَدَدَدا۔ زَزَزَزَزا۔ رَرَرَرَرا ——" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

"جاؤ۔ چلے جاؤ۔ پریشان نہ کرو" عقاب نے کہا

"مگر حضور مہربانی فرما کر ایک مرتبہ۔ بَ بَ بَ با۔ کَ کَ کا۔ مَ مَ ما تو کہہ لیجئے" اُلّو نے کہا

"میں پھر کہتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ" عقاب نے گرج کر کہا

"پَ پَ پا۔ شَ شَ شا"

"چلے جاؤ"

"سَ سَ سا۔ فَ فَ فا۔ جَ جَ جا"

بجلی کی تیزی سے عقاب نے جھپٹ کر اُلّو کو دبوچا اور نوچ

کھسوٹ کر پھینک دیا۔

ایک گھنٹہ بعد شکرا بھی صبح کے شکار سے فراغت پا کر پہنچا۔ اسے اُلو کا حشر معلوم نہ تھا۔ اس نے کہا" دیکھو ایک سوال پوچھتا ہوں صحیح جواب دینا۔ فرض کرو ہمارے پاس ۶۰ پونڈ گوشت ہے ہم اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ آدھا تمھارے لئے اور باقی سب لوگوں کے لئے۔ بتاؤ تمھیں کتنا ملے گا۔"

"سب کا سب" عقاب نے جواب دیا

"نہیں۔ نہیں۔ ٹھیک جواب دو" شکرے نے کہا اگر "سب" دینا ہوتا تو میں یہ سوال ہی نہ کرتا۔"

یہ پہلا موقع نہ تھا جب شکرے نے عقاب سے ایسے سوالات کئے ہوں لیکن اس موقع پر عقاب کو شکرے کا لہجہ ناقابل برداشت معلوم ہوا۔ اس کا خون کھولنے لگا اور اس نے دل میں کہا کہ جب میں نے "سب" کہہ دیا تو میرے غلام کو "نہیں" کہنے کی ہمت کیونکر ہوئی۔

عقابوں کی فطری خصوصیت ہے کہ جب ان کا خون کھولنے لگتا ہے تو استادانہ سوالات اور انقلابی خیالات میں امتیاز نہیں کر سکتے چنانچہ عقاب نے بھی یہی کیا اور شکرے کا خاتمہ کرنے کے بعد اعلان کیا کہ ——

"سائنس اکیڈمی بند کر دی جائے۔"

گرگریوں نے پھر ایک مرتبہ اپنا ترانہ

ہمیں علم کی روشنی چاہیئے

اُلایا لیکن اب ہر شخص کو معلوم ہو چکا تھا کہ "سنہرا دور" ختم ہو رہا ہے اور مستقبل قریب میں تاریکی اور چیل کا دور دورہ ہوگا جس کے ساتھ ہی خانہ جنگی اور افراتفری پھیل جائے گی۔

متوفی شکرے کے عہدے پر تقرر کے معاملہ میں گدھ اور چیل ایک دوسرے کے حریف بنے اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ چونکہ دونوں کی توجہ ذاتی مفادات پر مرتکز تھی اس لئے دربار کے کاروبار سے بے توجہی برتی گئی اور وہ روز بروز خراب اور ناگفتہ بہ ہوتے گئے چنانچہ ایک مہینہ کے اندر اندر سنہرے دور کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ گرگریاں کاہل اور سست ہو گئیں۔ ہری چگ بے سُرے ہو گئے۔ مینا نے دھڑلے سے چوریاں شروع کر دیں قطبخوں نے محصول ادا نہیں کیا اور ان پر اتنا بقایا ہو گیا کہ عام اگزی کوسیا[ع] کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حالات اتنے ناگفتہ بہ ہو گئے کہ خود عقاب اور اس کی مادہ کی خدمت میں دسترخوان پر اُترا ہوا گوشت آنے لگا۔

گدھ اور چیل بدانتظامی کے الزام سے بچنے کے لئے ایک دوسرے

[ع] اگزی کوسیا، روس کی سرکاری اصطلاح میں بغاوت یا محصول نہ دینے پر کسانوں پر کوڑے برسانے کو کہتے ہیں۔

سے گلے مل لئے اور سارا الزام تعلیم پر ڈال دیا۔ انھوں نے کہا "ہمارے پُرکھے بلا سائنس کے رہتے تھے اور ہم بھی ان ہی کی طرح رہ سکتے ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے یہہ ثابت کرنے کے لئے کہ سائنس ہی ان خرابیوں کی ذمہ دار ہے، سازشوں کا پتہ چلانے کی تیاریاں شروع کر دیں خصوصاً ایسی سازشیں جن کا تعلق کسی کتاب سے ہو۔ چاہے اس میں مناجاتیں ہی کیوں نہ لکھی ہوں۔ اس طرح تلاشیوں، پولس کی تحقیقاتوں اور مقدمات کی ایک وبا سی پھیل گئی۔

"ختم کرو یہہ سب" یکایک فضائی بلندیوں سے ایک گرجدار آواز آئی۔

یہہ عقاب کا حکم تھا۔ تعلیم ختم ہوگئی۔ پورے دربار میں سناٹا سا چھا گیا۔ ایسا سناٹا جس میں افترا پردازوں کی کانا پھوسی سنی جاسکتی تھی۔

نئے حالات کا پہلا شکار ہد ہد تھا۔ وہ بے چارہ بالکل بے خطا تھا لیکن چونکہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اس لئے اس پر الزام لگانے کے لئے یہی کافی تھا۔

"کیا تمھیں اعراب لگانے کے قواعد معلوم ہیں؟" سوال کیا گیا۔

"نہ صرف زیر زبر پیش لگانے کے قواعد بلکہ مزید علامات بھی

جیسے وقف نصف و قف، استفہام اور ندا وغیرہ بھی جانتا ہوں اور نہ صرف جانتا ہوں بلکہ صحیح لکھنا بھی ہوں" ہدہد نے جواب دیا۔

"اچھا تم مذکر اور مونث بھی پہچان سکتے ہو؟"

"جی ہاں۔ اچھی طرح۔ میں تو رات کو بھی غلطی نہیں کر سکتا"

اسی قدر کافی تھا۔ ہدہد کو بیڑیاں پہنا دی گئیں اور اسے عمر بھر کے لئے ایک پرانے درخت کے خول میں بند کر دیا گیا جہاں چیونٹیوں نے کاٹ کاٹ کر ادھ موا کر دیا اور دوسرے دن ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔

ابھی اس کا غم کم نہ ہوا تھا کہ سائنس کالج پر بجلی گری۔ الّوؤں اور کھوسٹوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ وہ اپنے امن و عافیت کے مسکنوں سے نکالا جانا پسند نہ کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ عوام میں پھیلانے کیلئے علمی تحقیقات میں مصروف نہیں بلکہ ان کا مقصد علم کو نظر بد سے محفوظ رکھنا ہے۔ لیکن چیل نے فوراً ہی یہ سوال کر کے انھیں خاموش کر دیا کہ

"آخر سائنس کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

چونکہ سوال بالکل غیر متوقع تھا اسلئے ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا چنانچہ انھیں پکڑ کر مالیوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا جنھوں نے انھیں مار کر ان کی کھالوں میں بھس بھرا اور باغ میں لٹکا دیا تاکہ دوسرے پرندے خوف زدہ ہو کر ادھر کا رخ نہ کریں۔ بطخوں کے بچوں سے ان کے "قاعدے" چھین لئے گئے اور ان قاعدوں کو رنگ میں ڈال کر

پانی ڈالا اور کیچل کرکے گودا تیار کر لیا گیا بعد میں اسی گودے سے تاش کے پتے بنائے گئے۔

حالات روز بروز خراب ہوتے گئے۔ الوؤں اور کھوسٹوں کے بعد گرگریوں کی باری آئی۔ ان کے بعد بھری چک تونتے اور پڑی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بے چارے جنگلی مرغ پر بھی شبہ کیا گیا کہ وہ ایک خاص "طرز خیال" کا پیرو ہے کیونکہ وہ دن بھر خاموش رہتا اور شب میں سوتا ہے۔

خدمت گاروں کی تعداد میں روز بروز کمی ہوتی گئی۔ آخر کار عقاب کی خدمت کرنے کے لئے کوئی باقی نہ رہا سوا اس کی مادہ، یا گدھ اور چیل کے۔ البتہ بطخوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، اتنی تیزی سے جو شرمناک تھی۔ لگا ان کا بقایا بھی اسی رفتار سے بڑھ رہا تھا!

آخر کار جب سازش کیلئے کوئی اور باقی رہا (بطخوں کا تو کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ کسی شمار وقطار میں نہیں) تو گدھ اور چیل نے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں پھر شروع کر دیں، بنائے فساد علم قرار پایا۔ چنانچہ گدھ نے چیل پر الزام لگایا کہ وہ چھپ چھپ کر کتاب مقدس پڑھتی ہے اور چیل نے کہا کہ گدھ نے ایک درخت کے خول میں "نئے ترانوں" کا مجموعہ چھپا کر رکھا ہے۔

عقاب کی بے چینی بڑھنی شروع ہوئی۔

لیکن عین اس موقع پر ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ چونکہ نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا اس لئے بطخوں نے یہہ سوال اٹھایا ——— کہ

"اس مسئلہ پر" قاعدے میں کیا لکھا ہے۔

انھیں اچھی طرح یاد نہ تھا لیکن انھوں نے یاد کرنے کی کوشش بھی نہیں کی اور سب کی سب وہاں سے اڑ گئیں۔

عقاب نے ان کا پیچھا کیا لیکن بیکار۔ وہ اتنے دن سے عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کے بدن میں قوت باقی نہ رہی تھی اس لئے صرف پر پھڑپھڑا کر رہ گیا اور اپنی مادہ کے پاس واپس آکر اس نے یہہ زرین الفاظ کہے۔

"عقابوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے"

لیکن سوال یہہ ہے کہ کس چیز سے؟ اس سے کہ ———

تعلیم عقابوں کے لئے مضر ہے یا

عقاب تعلیم کے لئے مضر ہیں یا پھر

دونوں ایک دوسرے کے لئے مضر ہیں؟

عقاب نے یہہ نہیں بتایا۔

اسکول ماسٹر

اُدھیڑ عمر کے ایک رئیس نے برآمدے میں بیٹھے بیٹھے گاڑیبان کو پکارا جو اُس کے مکان کے سامنے سے پن گاڑی لئے چلا جا رہا تھا۔

"اے! اے۔ پردکونی! پردکونی!"

گاڑی ٹھہر گئی

"بھرا ہے کیا؟"

گری گری ناؤچ! پہیوں سے ایسی آوازیں نکلتی ہیں کہ سنائی ہی نہیں دیتا کچھ۔ تیل کی ضرورت ہے اُن کو۔"

"اوہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہ گاڑی میں کیا ہے؟ پانی؟"

"جی ہاں"

"تالاب سے لائے ہو؟"

"جی"

"اچھا" رئیس نے ذرا دیر بعد کہا" جا سکتے ہو"

ایک سپاہی نے برآمدے تک آکر کہا" سرکار کی خدمت میں آداب عرض کرتا ہوں"

"کون ہو تم؟"

" فرنو ضلع مرکولوفسکی سے آیا ہوں ۔ آپ تو جانتے ہوں گے ؟ ۔
—— دریائے کوستراکے کنارے . . . "
" کیا چاہتے ہو ؟ "
" نوکری کی تلاش میں ہوں بطور دربان یا قرق امین "
" اس سے پہلے کیا کرتے تھے ؟ "
" فوج میں ملازم تھا ۔ سپہ سالار کا کوچوان ۔ اس کے بعد مورافسکی میں مجسٹریٹ صاحب کا باورچی رہا سرکار میں ہرفن مولا ہوں —— مالی ، کتوں کا نگہبان ، باورچی —— جو خدمت آپ لینا چاہیں "
" کیا پتھر توڑ سکتے ہو ؟ "
" نہیں ۔ مجھ سے ایسا کام نہیں ہوسکتا "
" کیوں ؟ "
" حضور بات یہ ہے کہ فوجی زندگی انسان کا سارا کس بل نکال لیتی ہے ۔ میں فوج کے ہراول میں تھا ؛ عقبی فوج میں نہیں تھا "
" اچھے خاصے تندرست ہونے پر بھی ایسے ادنیٰ کام کیوں کرنا چاہتے ہو ؟ "
بھلا سوچو تو قرق امینی اور کتوں کی نگہبانی بھی کوئی کام میں کام ہے ؟ "

"لیکن سرکار پتھر توڑنے سے تو بہتر ہے"

"میرے خیال میں تو پتھر توڑنا بہترین کام ہے . . . . . خیر . . . کیا تمھارے پاس سرٹیفکٹ ہیں؟"

"جی نہیں حضور"

"بلا سرٹیفکٹ کے میں تمھیں ملازم نہیں رکھ سکتا"

"درست ہے سرکار"

"تم بالکل نکمے اور ناکارہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چور یا شرابی . . . . . "

"جی سرکار"

"تمھیں سرٹیفکٹ لانا چاہئے"

"جی سرکار۔ آداب عرض"

سپاہی چلا گیا۔ اتنے میں داروغہ نے حاضر ہوکر کہا۔

"سرکار جس وقت آرام فرما رہے تھے ایک اجنبی آیا تھا۔ کسی گاؤں کے مدرسے میں پڑھاتا ہے"

"اب کہاں ہے؟"

"دفتر میں بیٹھا ہوا ہے"

"حاضر کرو"

تقریباً چالیس سالہ شخص برآمدے میں داخل ہوا۔ رئیس نے بیٹھنے کے لئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کون ہو تم؟"

"بزدوبوف ضلع پوبیرا کا اسکول ماسٹر۔ حضور کی خدمت میں ایک گذارش ہے۔ کیا حضور کے پاس ملازمت مل سکتی ہے؟"

"مجھے کسی اسکول ماسٹر کی ضرورت نہیں۔" رئیس نے کہا۔

"میں دوسری خدمتیں بھی انجام دے سکتا ہوں سنا ہے کہ حضور کو ایک منشی کی ضرورت ہے۔"

"بزدوبوف میں تم نے ملازمت کیوں چھوڑ دی؟"

"اسکول میں آگ لگ گئی اور جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔"

"عرصہ ہوا کیا؟"

"یوم آدیبار کے موقع پر۔ آگ لگنے کا سبب نہیں معلوم ہو سکا ——— سارا گاؤں جل گیا۔"

"ہاں آج کل مسلسل آگ لگنے کی خبریں آرہی ہیں۔ یہاں سے قریب ہی ایک گاؤں کے جل جانے کی اطلاع آئی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ جناب مدرس کیونکر بن گئے۔"

"تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ رہا۔ کوئی کام نہیں ملتا تھا۔ بھائی میری کفالت کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک رئیس کے پاس دو روبل ماہانہ پر نوکر ہو گیا۔ مگر وہاں زیادہ

عرصہ تک نہیں رہ سکا۔ جب تک نوکر رہا کوچ وانی کے فرائض انجام دیتا رہا۔۔۔"

"لیکن یہہ کیوں؟"

"بات یہہ تھی کہ میرے شاگرد کو پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں تھا۔ اُس کے ماں باپ نے اُسے آزاد چھوڑ رکھا تھا اس لئے اُنھوں نے مجھ سے عارضی طور پر کوچ وانی کا کام لیا۔"

"خوب!!"

"میں کام اچھی طرح کرتا تھا۔ مجبور تھا کیونکہ کوئی دوسرا۔۔" ملتا کیا تھا؟

"کچھ نہیں۔ صرف رہنا کھانا یا ایک اترا ہوا ڈرسنگ گون جو رئیس نے عنایت کیا تھا۔ یہی ڈرسنگ گون پہنے ہوئے میں اپنے بھائی کے پاس گیا لیکن اُنھوں نے کہا" یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ نکھٹو کہیں کے۔ کوئی کام کیوں نہیں سیکھ لیتے۔ گانا ہی سہی ——— ممکن ہے کسی وقت استاد ہو جاؤ۔"

میں نے گانا سیکھنا شروع کیا لیکن بھائی نے میرے گانے سے بیزار ہو کر ایک دن کہا" اُفوہ!۔ بیزار ہو گیا ہوں۔ ناقابل برداشت ہے تمہارا گانا۔ بہتر ہے تم اَبا جان کے پاس چلے جاؤ۔" گھر پہنچا تو سب نے بُرا بھلا کہنا شروع کیا "نِکما نِکما وغیرہ"

بھلا آپ ہی بتایئے سرکار۔ ملازمت ہی نہ ملے تو میں کیا کروں؟

میں نے ایک مرتبہ یہ بھی سوچا کہ رہبانیت اختیار کر کے کسی خانقاہ میں جا رہوں لیکن اُسی زمانے میں ایک خط میرے بھائی کے پاس سے آیا جس میں مجھے اپنے پاس بلایا تھا۔ میرے جانے پر اُنھوں نے کہا "شہزادہ کا داروغہ ایک سنگیت پارٹی قایم کرنا چاہتا ہے۔ تم "استاد" کی حیثیت سے ملازم ہو جاؤ"۔ میں نے کہا "آپ جانتے ہیں میں گانا نہیں جانتا پھر کیونکر استاد بن سکتا ہوں"۔ لیکن بھائی نے کہا "گھبراؤ نہیں تم اپنی جماعت کو تعلیم دینا سیکھ جاؤ گے"۔

میں نے ملازمت اختیار کر لی۔

اُنھوں نے مجھے ——"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اُس وقت آپ ڈریسنگ گون پہنے ہوئے تھے یا کچھ اور؟"

"جی نہیں۔ میں اپنی ماں کا کوٹ پہنے تھا۔ ڈریسنگ گون پھٹ چکا تھا۔ . . . . یہ ایک چھوٹا سا کرتہ تھا . . . . . . گھر کا بنا ہوا . . . . "

"اچھا پھر؟"

"کام عمدگی سے ہو رہا تھا۔ (گانا سیکھنے والوں کی تعداد کافی تھی) میرا بھائی ادنیٰ سُروں میں گانا اور آیوان الکسیچ نیچے سُروں میں۔ آج کل وہ انجیل کی تفسیر اور گرداوری کی تعلیم دیتا ہے۔ ان

لوگوں کے علاوہ بعض لوگ شوقیہ شریک تھے۔ ہم لوگوں نے بہت جلد روسی گیتوں کی اچھی مشق بہم پہنچالی۔ داروغہ کو ہم لوگوں کی مشق دیکھ کر بڑی حیرت تھی۔ موسیقی میں اس کی نگاہ بڑی گہری تھی۔ چنانچہ اس نے شاہزادے کے پاس جو ماسکو میں تھے خط بھیجا جس میں "استاد" کے لئے تنخواہ مقرر کرنے کے لئے لکھا تھا۔ اسی اثنا میں ہم نے دوسرے گیتوں اور راگوں میں مشق بہم پہنچانی شروع کر دی تھی۔ یکایک شہزادے کے پاس سے جواب آیا۔ "سنگیت پارٹی کی ضرورت نہیں، میں اپنی صحت کی خاطر باہر جا رہا ہوں——"

"اس کے بعد میں موضع بزدبوف کے مدرسے میں اسکول ماسٹر ہوگیا۔ یہاں کے رہنے والے بڑے غریب ہیں۔ سردی کے دنوں میں بہت سے کسان اپنی بھٹیوں میں سوتے ہیں۔ ایک روز اتفاق سے ایک پادری صاحب اس گاؤں میں باہر سے آگئے اور ایک گھر میں داخل ہو کر انھوں نے آواز دی لیکن کسی کا پتہ نہ تھا اس پر انھوں نے ایک مناجات گانی شروع کی۔ یکایک لوگوں نے بھٹی سے رینگ کر نکلنا اور صلیب مقدس کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔ میرے اکثر شاگرد بھیک مانگنے جایا کرتے تھے۔ اس کے باوجود سینٹ پیٹر برگ کے ایک دولت مند رئیس نے ہمارے گاؤں سے گذرتے ہوئے، کہا کہ لوگ تعلیم کے خلاف نہیں ہیں——

— سچ مچ۔"

"کیا طنز سے کہہ رہے ہو؟"

"جی نہیں!!"

"واقعی غریب آدمی کو بھی علم حاصل کرنے کی خواہش ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر لوموتوسوف ہی کو لے لو۔ وہ ایک معمولی کسان سے ترقی کرکے مجلس علمی کا رکن بن گیا ہے۔"

"درست ہے"

"اچھا سنٹ پیٹرز برگ سے جو رئیس آیا تھا اس نے اور کیا کہا؟"

"انھوں نے فرمایا تھا کہ طالب علموں کے لئے اگر یونیفارم مقرر کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔"

"بڑا اچھا خیال ہے" رئیس نے زور سے کہا "مدرسہ میں ضبط و نظم ہونا چاہئے۔ ضبط و نظم کے بغیر کوئی مدرسہ نہیں قایم رہ سکتا۔ ھنوں —— تمہارے اسکول میں کیا کیا پڑھایا جاتا ہے؟"

"عہد نامہ جدید روسی اور سلووانی زبان میں پڑھاتے تھے اور عہد نامہ قدیم و جدید سے ایک سو چار منتخبات مسیحی مذہب کے مبادیات زہد و اتقاء کی مثالیں اور دعائیں بچوں کو زبانی یاد کرائی جاتی تھیں اور اس کے بعد دوسرے گیت اور مناجاتیں وغیرہ"

"بس ؟"

"جی نہیں، ہمارے پاس کتب خانہ میں حسب ذیل کتابیں تھیں۔

"تاریخ عالم کے منتخبات" مصنفہ شرک

"فوجی ملازمت میں داخلہ کی منظوری کے اصول"

"غذائے دل و دماغ"

"متا جائیں"

"تُھرا" مصنفہ گلنکا

"سینٹ پر دکوپییس حرامی کی سوانح عمری"

"عوام کی کتاب"

"گھریلو بات چیت"

"گنج پستک"

اور چند کتابیں۔

"کتابیں تو اچھی ہیں" رئیس نے کہا میں "گھریلو بات چیت" اور "گنج پستک" ضرور منگواؤں گا۔ تم وہاں کب تک ملازم رہے ؟"

"آٹھ سال۔ اس تمام عرصہ میں میری تنخواہ نہیں بڑھی۔ ایک روز انسپکٹر صاحب آئے۔ انھوں نے پوچھا "تم کتنے عرصہ سے کام کر رہے ہو ؟"

"آٹھ سال سے" میں نے جواب دیا۔

"تمھاری تنخواہ میں اضافہ ہوا ؟"

"جی نہیں" میں نے جواب دیا۔ "مجھے اقل ترین تنخواہ دی جاتی ہے۔"

"کیوں؟"

"معلوم نہیں۔"

اس پر انسپکٹر صاحب نے افسر ضلع سے کہا "مدرس کی تنخواہ بڑھنی چاہیئے۔ اس نے یہہ بھی کہا کہ مدرسہ کی پھلواری پر توجہ نہیں دی جا رہی ہے ـــــ اسے درست ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا اخلاقی اثر اُن طلبہ کے دلوں پر بہت اچھا پڑے گا جو بعد میں کسان بننے والے ہیں۔"

"مجھے اس سے اتفاق ہے۔ ان لوگوں کے بُرے رجحانات بچپن ہی سے بدل دینے چاہئیں۔"

"انسپکٹر صاحب نے یہہ بھی حکم دیا تھا کہ باغ میں پھول بوئے جائیں اور ـــــ۔"

"ھنوں۔ لیکن میرے خیال میں یہہ غیر ضروری ہے اُسے چاہیئے تھا کہ برچ کے درخت لگانے کا حکم دیتا ان کا اثر طلبہ پر کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔"

"برچ کے درخت پہلے سے موجود تھے ـــــ۔"

"برچ کے درخت اتنے ہی قیمتی ہیں جتنی "گنی پسٹک" یا "گھریلو بات چیت"۔ کیا تمہاری شادی ہوچکی ہے؟"

"میں شادی کر لیتا لیکن مجھے خوف تھا۔ ادگوزوف کے پادری نے مجھ سے اپنی سالی کے بارے میں کہا تھا۔
"میں اُس سے ملنے گیا"
"کیا وہ عقلمند تھی؟"
"جی۔ واقعہ تو یہہ ہے کہ مین کہہ نہیں سکتا کہ وہ عقلمند تھی یا نہیں"
"لیکن تم نے اس سے درخواست کی تھی؟"
"جی ہاں۔ یہہ تو درست ہے۔ ہم ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ اولگا مٹرسی تا"
"ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے" اس نے جواب دیا
"میں یہاں لایا گیا ہوں" میں نے کہا "تاکہ تم سے شادی کی درخواست کروں"
"واقعی؟" اس نے کہا۔
"جانتی ہو میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا؟ ادگوزوف میں بپتسمہ کے موقع پر"
"ہاں۔ مجھے یاد آگیا۔ تم خمیسل نو سے آئے ہونا؟"
"ہاں" میں نے کہا۔
"بڑے اچھے مناظر ہیں وہاں"
"بس اس تی کی عقلمند کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے! اس کا

باپ مجھ سے جلدی شادی کر لینے کے لئے کہتا رہا کیونکہ گھر والی کے بغیر کوئی آدمی اچھی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتا ۔"
" ساتھ رہ کر ہماری زندگی زیادہ خوشگوار ہو سکتی ہے ۔"
اُس نے کئی مرتبہ کہا ۔ ہم لوگ صبح تک یونہی ناچتے گاتے رہے ۔
" مقدس گیت ؟"
" جی نہیں مختلف اقسام کی مناجاتیں اور گیت ۔"
" اچھا ۔ کیا تمہاری منسوبہ نے کوئی گیت گایا تھا ؟"
" جی نہیں ۔ البتہ بعد میں جب میں نے اُسے چھوڑ دیا ۔۔۔۔ تو ۔۔۔۔ آپ کو معلوم ہے نا ۔۔۔۔ وہ ایک گیت گاتی تھی ۔۔۔۔ جس میں ہے کہ

اظہارِ عشق اس سے نہ کرنا تھا ہائے دل[1]
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

" آہا ۔ تو اُس کے معنے یہ ہوئے کہ تم نے اُس سے بیوفائی کی ۔"
" معلوم نہیں ۔ بہرحال میرے پاس تھا کیا جس پر شادی کرتا ۔"
" ھُنوں ۔ تو اسکول جل کر خاک ہو گیا ؟"

---

[1] شیفتہ

"جی ہاں ۔ بالکل"

"تو کیا سارا سامان اور کتابیں بھی جل گئیں؟"

"نہیں ۔ انھیں بچا لیا گیا ۔ آگ دن میں لگی تھی اس لئے لوگوں کو کتابیں وغیرہ بچا لینے کا موقع مل گیا"

"یہ اچھا ہوا کیونکہ میرے خیال میں لوگ مدرسہ پھر بنا لینگے اور تم پھر پڑھانے پر نوکر ہو جاؤ گے"

"میں بیزار ہوں اس سے ۔ آپ یقین نہ کرینگے ۔ میرے دل میں کئی مرتبہ خودکشی کا خیال آچکا ہے"

"تو پھر تم کلرک بننا پسند کرتے ہو؟"

"جی سرکار"

"ہنوں ۔ مجھے افسوس ہے لیکن میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا اس میں شک نہیں کہ میں نے حال ہی میں اپنے محرر کو برطرف کر دیا ہے لیکن مجھے دوسرے محرر کی ضرورت نہیں ۔ دیکھو نا ہر چیز پر ذاتی نگرانی ہونی چاہئے ۔ میں اپنے حسابات خود ہی کرتا ہوں ۔ میرے پاس فرق اتین کی ایک جگہ خالی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اسے تم پسند نہ کرو گے ۔ تنخواہ بہت کم ہے . . . . تین روبل ماہانہ"

"بہت کم ہے" مدرس نے کہا ۔

"دیکھا نا! مجھے محرر کی ضرورت بھی نہیں ۔ اس کے علاوہ

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اسکول ماسٹر بننا کیوں نہیں پسند کرتے !"

"میں اسے برداشت نہیں کر سکتا ۔ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔"

"اس میں شک نہیں کہ شجر علم کی جڑ نہایت کڑوی ہوتی ہے لیکن اُس کے پھل بہت شیریں ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ میری تو یہی خواہش ہے کہ تم عوام میں علم کی روشنی پھیلاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ آج کل جب کہ علم ضروریات زندگی میں شامل ہو گیا ہے ۔ ہم سب کو انتہائی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کام میں مدد دیں ۔ میں خود جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے کرنے کو تیار ہوں میں تمھارے مدرسہ کو اپنی کتابیں تحفتہً دونگا ۔ الیوشکا ! اے الیوشکا ! ذرا وہ صندوق تو لانا ۔ اُدھر کمرے میں صوفے کے نیچے رکھا ہوا ہے ۔"

نوکر ایک صندوق لے کر آیا جسے چاروں طرف سے چوہے کتر چکے تھے ۔

"یہہ دیکھو " رئیس نے کہا ۔ " یہہ کتاب تمہارے لئے ہے ۔ " قدرت کا انتقام " بڑی عمدہ کتاب ہے ۔ مجھے یاد نہیں کس مضمون پر ۔ اور یہہ دیکھو " قسمہ ۔ ۔ ۔ بھئی میرے خیال میں تو تم ساری کتابیں لے جاؤ ۔ نیا اسکول بننے پر ساری کتابیں ایک سلسلہ سے ترتیب دیکر کتاب خانے میں اس کتبہ کے ساتھ رکھنا

"یاکوف اینٹونووچ سوی نوکوف کا تحفہ جو یرو خوروکا کے زمیندار ہیں"۔ مستقبل مجھے یاد رکھے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے بڑی مسرت ہے کہ قسمت تمھیں یہاں لے آئی ورنہ میری کتابیں بیکار پڑی رہتیں۔ اب اُن سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا نہ صرف موجودہ بلکہ آئندہ کئی نسلوں کو بھی۔ ۔ ۔ ۔ الیوشکا! اے الیوشکا! دیکھو گھوڑا تیار کرو اور آپ کو کتابوں کے ساتھ موضع بیزدبوف پہنچا دو"۔

دو مہینے میں نیا مدرسہ بن چکا تھا تعلیمی کتاب خانے میں حسب ذیل قیمتی کتب کا اضافہ ہوگیا تھا جنھیں مسٹر سوی نوکوف نے "تحفتہً" عنایت فرمایا تھا۔

"امرائے جہنم کی مراسلت"
"کتوں کے ذریعہ شکار"
"روسی تھیٹر"
"قدرت کا انتقام"
"بلگارین کی تصانیف"
"سیاسی اور اخلاقی کہانیاں"
"ماسکو گزٹ"
"ایک نئی لاطینی الف بے"
"دانائی کیا ہے؟ طلبہ سے خطاب"

"رہنمائے اخلاق"
"حقیقی حکمت کے قواعد پر ایک مختصر رسالہ"
اب کسی چیز کی ضرورت نہ تھی سوا مدرس کے۔ کہا جاتا ہے کہ سابق مدرس نے پھانسی لے کر خودکشی کر لی تھی۔

تھانہ میں

اشخاص :- پولیس انسپکٹر

گری گوریف :- اس کا نوکر

ایک دوکاندار

آئی دن انا نیغف

وقت صبح

انسپکٹر دفتر میں بیٹھا ہوا کاغذات دیکھ رہا ہے -

انسپکٹر (پڑھتا ہے) اس لئے شہر ماسکو کے محکمہ کوتوالی نے ———— گری گوریف ؟

گری گوریف ۔ جی سرکار

انسپکٹر ۔ باورچی سے کہو آج مچھلی پکائے اور —— ہاں سیب کا سرکہ بھی ہونا چاہیئے ۔

گری گوریف ۔ بہت اچھا حضور ۔

انسپکٹر (پڑھتا ہے) تا کہ مناسب تحقیقات کی جائے (دوکاندار داخل ہوتا ہے) کون ہے ؟

دوکاندار ۔ میں ہوں ۔

انسپکٹر ۔ میں ۔ میں کون ؟

دوکاندار ۔ اسی شہر کا ایک باشندہ ۔

انسپکٹر ۔ کیا چاہتے ہو ؟

دوکاندار ۔ سرکار سے کچھ عرض کرنے حاضر ہوا تھا ۔

انسپکٹر ۔ کیا ہے کہو ۔

دوکاندار ۔ سرکار ایک ذرا سا کام ہے ۔

انسپکٹر ۔ ذرا سا ؟ آخر کیا کام ہے کہو تو ۔

دوکاندار ۔ بات یہ ہے کہ —— خفا نہ ہونا سرکار ! یہ تین روبل ہیں سرکار کے چائے پان کے لئے ۔

انسپکٹر ۔ تشریف رکھئے ۔

دوکاندار ۔ جی سرکار میں کھڑا رہ سکتا ہوں ۔ کوئی بات نہیں ۔

انسپکٹر ۔ اچھا آپ کا کام کیا ہے ۔

دوکاندار۔ سرکار جانتے ہیں۔ حضور کے علاقہ میں میرا ایک مکان ہے جس کے گرد لکڑی کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔

انسپکٹر۔ ہاں۔ جی ہاں۔

دوکاندار۔ اس مکان میں ایک کارخانہ ہے، میرا کپڑا بننے کا کارخانہ۔

انسپکٹر۔ اچھا۔ پھر؟

دوکاندار۔ تو بات یہ ہے سرکار ——

انسپکٹر۔ بیٹھ جائیے۔ تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے۔

دوکاندار۔ کوئی بات نہیں۔ تکلیف نہ کیجئے . . . . قصہ یہ ہے کہ ہفتہ کے روز میں شہر میں تھا۔ شام کو ذرا دیر سے واپس ہوا مگر اتنی تیزی سے چلا ہوں جتنی میرے پاؤں اجازت دے سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا —— میری بیوی بچے انتظار کر رہے ہوں گے —— گھریلو معاملات —— آپ جانتے ہیں نا —— پھر یہ بھی خیال تھا کہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہو گی ——

انسپکٹر۔ ہاں۔ ہاں۔ گھریلو معاملات۔

دوکاندار۔ تو عرض یہ ہے کہ میرے کارخانے میں ایک مزدور ہے۔ آئی وون انانیف ——

انسپکٹر۔ اچھا! میرا خیال ہے اس نے شراب پی کر کچھ گڑبڑ کی ہو گی یا کچھ اور ——

دوکاندار۔ نہیں سرکار۔ اس سے زیادہ خراب حرکت۔ ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو میں ٹال جاتا مگر اس نے میری گُٹھنی چرالی۔

انسپکٹر۔ گٹھنی کیا؟

دوکاندار۔ وہ ایسی ہوتی ہے۔ جیسے ——— جیسے ——— سرکار کو معلوم ہے نا ہم لوگ جو کپڑا تیار کرتے ہیں اُسے کاٹنے کے لئے۔

انسپکٹر۔ اچھا۔ اچھا۔ سمجھا۔

دوکاندار۔ تو میں نے اس سے کہا "آئی دن انا نیف چلو میرے ساتھ چلو تھانے پر"۔ سرکار آپ جانتے ہیں اس نے کیا جواب دیا؟ کہتا تھا "میں تمھارے انسپکٹر صاحب کی پروا نہیں کرتا"۔

انسپکٹر۔ ایں؟ گری گوریف!

دوکاندار۔ حضور! میں نے اس سے کہا "کیا مطلب ہے تمھارا؟ جانتے ہو کوئی شخص بھی تمہارے سر پر ایک دھول جما سکتا ہے اور تم کچھ بھی اس کا نہیں بگاڑ سکتے ——— انسپکٹر صاحب بہادر کی تو بڑی بات ہے۔

انسپکٹر۔ گری گوریف!

دوکاندار۔ دیکھئے حضور! ہم جیسے لوگ ایسی باتیں نظر انداز نہیں

کر سکتے۔ کیونکہ اس طرح تو ساری کی ساری دولت برباد
ہو جائے گی۔
انسپکٹر۔ گری ——— گوریف!
دوکاندار۔ اور حضور میں تو کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کیلئے انسپکٹر ———
دیکھیئے حضور یوں ہی ہے۔ جیسے ——— جیسے کہ
(گری گوریف داخل ہوتا ہے)
گری گوریف۔ حضور! کیا حکم ہے سرکار؟
انسپکٹر۔ گدھا کہیں کا۔
گری گوریف۔ حضور!
انسپکٹر۔ آئی دن انا نیف کو پکڑ لاؤ۔
گری گوریف۔ (دروازہ کھولتے ہوئے) کوندرے نیف! آئی دن انا نیف
کہاں رہتا ہے؟ جانتے ہو اُسے؟
سرکار کے پاس پکڑ لاؤ۔ آئی دن انا ——— آ ——— نیف!
(آئی دن انا نیف داخل ہوتا ہے)
انسپکٹر۔ تمہارا نام کیا ہے؟
آئی دن انا نیف۔ کوئی نام نہیں۔ مرنے کا وقت قریب ہے۔
انسپکٹر۔ کیا بک رہا ہے؟
آئی دن انا نیف۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔
انسپکٹر۔ بند کر دو اسے۔

آئی ون انانیف۔ کوزما پیٹرووچ کی ساری شرارت ہے میرے ساتھ۔ کیونکہ میں اس کی شرارتوں میں شریک نہیں ہوا تھا۔
انسپکٹر۔ لیجاؤ اسے۔
گری گوریف۔ کوندرے نیف!
دوکاندار۔ حضور کا شکریہ بہت بہت شکریہ۔ میرے خیال میں اب کچھ اور کام باقی نہیں ہے۔
انسپکٹر۔ نہیں۔ بس باز دکے کمرے میں جاکر صرف ایک رسمی بیان لکھ دیجئے۔
دوکاندار۔ بہت اچھا سرکار۔ (جاتا ہے)
انسپکٹر۔ گری گوریف۔
گری گوریف۔ جی سرکار۔
انسپکٹر۔ میری وردی لاؤ۔
گری گوریف۔ سرکار اس پر تو تمام دھبے پڑے ہوئے ہیں اور بہت میلی ہوگئی ہے۔
انسپکٹر۔ کیا؟ کیوں؟
گری گوریف۔ مجھے معلوم نہیں۔
انسپکٹر۔ کیا دھبے دور کئے جا سکتے ہیں؟
گری گوریف۔ جی ہاں سرکار۔
انسپکٹر۔ کیوں کر؟

گری گوریف۔ معلوم نہیں ۔
انسپکٹر ۔ شاید ٹرپنٹائن سے ؟
گری گوریف ۔ جی سرکار ٹرنپٹائن ہے ۔
انسپکٹر ۔ مگر میرا خیال ہے اس میں بو آجائے گی ۔
گری گوریف ۔ جی سرکار ۔ بو تو ضرور ہو گی ۔
انسپکٹر ۔ مگر مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ۔ شاید بو نہ ہو ۔
گری گوریف ۔ جی سرکار ۔ بو ؟ بو تو ہرگز نہ ہو گی (وردی لاتا ہے)
سرکار وردی تیار ہے ۔
انسپکٹر ۔ کیا ؟
گری گوریف ۔ کچھ نہیں ۔
انسپکٹر ۔ کیا اس میں بو آرہی ہے ؟
گری گوریف ۔ سرکار بو کے مارے ناک نہیں دی جاتی ۔
انسپکٹر ۔ بری طرح بو آرہی ہے ؟
گری گوریف ۔ بڑی بُری طرح سرکار ۔
انسپکٹر ۔ مجھے تو نہیں معلوم ہوتی ـــــ اس سے کسی کو تکلیف نہ ہو گی اور میرے خیال میں بو محسوس ہی نہ ہو گی ۔
گری گوریف ۔ سرکار بالکل نہیں ۔ لایئے میں پہنا دوں ۔ یہ لیجئے ۔

مجسٹریٹ صاحب

(عدالت میں مجسٹریٹ کی میز کے سامنے دو دوکاندار کھڑے ہوئے ہیں)

مجسٹریٹ۔ تم پر اس امر کا الزام لگایا گیا ہے کہ تم نے یاگودکا ہوٹل میں ایک بیرے کے منہ پر تیل مل دیا۔

پہلا مدعا علیہ۔ سرکار، ہم لوگ مذاق کر رہے تھے۔ سچ مچ سرکار۔

مجسٹریٹ۔ تم نے آئینہ توڑ ڈالا۔

پہلا مدعا علیہ۔ لیکن —— سرکار اس کی قیمت تو دیدی گئی اور ہم نے

اس کا مطالبہ بھی پورا کر دیا ہے۔
مجسٹریٹ۔ تو اپنا جرم تسلیم ہے تمہیں؟
پہلا مدعاعلیہ۔ جُرم؟ سرکار میں نے کیا کیا؟ اگر میں رقم ادا کر دوں تو۔
مجسٹریٹ۔ تم ساتھ تھے؟
دوسرا مدعاعلیہ۔ جی سرکار۔
مجسٹریٹ۔ کیا تم اپنا جرم تسلیم کرتے ہو؟
دوسرا مدعاعلیہ۔ ہرگز نہیں!
مجسٹریٹ۔ درخواست میں بتایا گیا ہے کہ تم ———
دوسرا مدعاعلیہ۔ سرکار سچ عرض کرتا ہوں۔ صرف دو آنے میں جتنی فرمائیں درخواستیں لکھ سکتا ہوں۔
مجسٹریٹ۔ خاموش! میں ایسی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔
دوسرا مدعاعلیہ۔ میں تو کوئی باتیں نہیں کر رہا تھا سرکار!
مجسٹریٹ۔ (گواہ سے) بتاؤ کیا ہوا تھا؟
گواہ ۔ مجھے معلوم نہیں کس کا یہ لوگ ذکر کر رہے ہیں یہ لوگ آئے۔ خوب چڑھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے دم تخت منگایا اور شراب۔ جس کے بعد خوب پی اور گڑبڑ کرنے لگے۔
پہلا مدعاعلیہ۔ اگر میں نے تمہارے منحوس منہ پر ملا تھا تو ———
مجسٹریٹ۔ خاموش!
پہلا مدعاعلیہ۔ حضور۔ سچ کہتا ہوں یہ شخص بالکل جھوٹ بک رہا ہے۔

وکیل ۔ سرکار میں گواہ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔
مجسٹریٹ تم کون ہو؟
وکیل ۔ ملزموں کی طرف سے پیروی کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہوں۔
مجسٹریٹ ۔ اچھا ٹھہرو۔
گواہ ۔ تو سرکار یہہ لوگ خوب پی کر میرے ساتھ برا برتاؤ کرنے لگے۔
مجسٹریٹ ۔ کیونکر؟
گواہ ۔ سرکار! میرے سر کے بال پکڑ کر۔
مجسٹریٹ ۔ کون تھا وہ؟
گواہ ۔ دونوں تھے سرکار!
پہلا مدعا علیہ ۔ بالکل جھوٹ۔
وکیل ۔ سرکار میں گواہ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔
مجسٹریٹ ۔ کہہ چکا ہوں تم سے ۔ بعد میں۔
گواہ ۔ سرکار اس کے بعد ان لوگوں نے میرے منہ پر نمل ملنا شروع کر دیا ۔ کافی روم میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا "یہہ تو بڑی شرمناک حالت ہے" اور ان لوگوں نے کہا "ہم نے رستم دی ہے رستم!"
مجسٹریٹ ۔ کیا یہہ بیان سچ ہے؟

پہلا مدعا علیہ۔ ہو سکتا ہے۔ میں ذرا زیادہ پیئے ہوئے تھا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں لیکن اگر ہم نے ذرا سا تیل مل بھی دیا تو اتنی گڑ بڑ کی ضرورت کیا ہے؟ ہم نے کوئی ٹریبیونل تو ملا نہ تھا۔ پھر ہم نے اس کے لئے معاوضہ بھی دیدیا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر حضور فرماتے ہیں تو میں "جرم" تسلیم کرلونگا۔

مجسٹریٹ۔ (دوسرے مدعا علیہ سے) اور تم؟

دوسرا مدعا علیہ۔ میں اپنے سابقہ بیان پر قایم ہوں۔

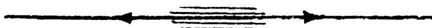
وکیل۔ کیا میں اب عرض کرسکتا ہوں حضور؟

مجسٹریٹ۔ ہاں کہو۔ کیا کہتے ہو۔

وکیل۔ عرض یہ ہے سرکار! عدالت میں جس دلی شرمندگی کا اظہار کیا گیا ہے وہ جدید قانون کی بنا پر جرم کو ہلکا کردیتی ہے . . . . . قانون اخلاقی سزا کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے عرض یہ ہے کہ میرے موکل کے مقدمہ کا فیصلہ اخلاقی اعتبار سے کیا جائے۔ میں جرم سے انکار کرتا ہوں اور میری عرض یہ ہے کہ میرے دونوں موکل بے خطا ہیں میں نے عرصہ تک بینچ دو ——— کے تحت خدمات انجام دی ہیں۔

مجسٹریٹ۔ معاف کیجئے گا وکیل صاحب۔ آپ اس وقت کس حال میں ہیں؟

وکیل۔ حضور!
مجسٹریٹ۔ آپ کس حال میں یہاں تشریف لائے ہیں؟
وکیل۔ ک تھ۔ کس ح۔ ح۔ حال میں؟
مجسٹریٹ۔ میں تم پر تین روپیہ جرمانہ کرتا ہوں۔ جاؤ۔
وکیل۔ فوری۔ عادلانہ۔ مشفقانہ فیصلہ۔



مگرمچھ

اسی مہینہ یعنی جنوری ۱۸۶۵ء کی تیرھویں تاریخ کو ۱۲½ بجے دن کے وقت ایلی اُونا آئی وانوف نا نے جو میرے فاضل دوست ہم دفتر اور دور کے رشتہ دار آئی وَن میٹ فائش کی بیوی ہیں سینٹ پیٹر برگ کے چھتے چلنے کی خواہش کی جہاں ٹکٹ سے مگرمچھ کی نمائش ہو رہی ہے۔ آئی وَن کی جیب میں روس کے باہر سفر کرنے کے لئے ٹکٹ رکھا ہوا تھا (دراصل یہ سفر بحالی صحت کے لئے اس قدر نہیں کیا جارہا تھا جتنا سیر و تفریح کی خاطر) اس لئے انھوں نے فرصت کا خیال کر کے

اور نیز یہ سوچ کر کہ آج کوئی اور کام نہیں نہ صرف یہ کہ بیوی کی خواہش کو رد نہیں کیا بلکہ خود بھی ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے۔

"بڑا اچھا خیال ہے" انھوں نے اطمینان سے کہا "ہم سب ملکر مگرمچھ دیکھیں گے۔ یورپ جانے سے پیشتر مناسب ہے کہ وہاں کی مخلوق سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے بیگم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہم لوگ فوراً ہی چھبتہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس روز تک میں نے کسی وقت بھی آئی وَن کو اس قدر مسرور نہ دیکھا تھا۔

کتنا سچا مقولہ ہے کہ ہم آیندہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ چھبتہ پہنچے تو اس عمارت کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور جس وقت ہم اس جگہ پہنچے جہاں حال میں لایا ہوا یہ دیو پیکر جانور رکھا گیا تھا تو آئی وان کو اتنی خوشی تھی کہ میرے لئے ٹکٹ خریدا ــــــ حالانکہ اس سے قبل کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ ہم ایک چھوٹے کمرے میں داخل ہوئے یہاں مگرمچھ کے علاوہ بہت سے کاکاتوے اور پچھلی طرف بندروں کے چند پنجرے تھے۔ دیوار سے ملے ہوئے دروازے کے بائیں جانب ٹین کا ایک بڑا حوض بنا ہوا تھا جس پر مضبوط لوہے کا جال پھیلا تھا۔ اس کے پیندے میں دو تین انچ پانی تھا اور اسی اتھلے پانی میں مگرمچھ لٹھے کی طرح خاموش پڑا تھا۔ بالکل بے حرکت اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے وطن کے مرطوب اور ناپسندیدہ موسم کے

باعث اس کی ساری قوت سلب ہوگئی ہے۔ پہلی نظر میں ہم لوگ مگرمچھ سے بالکل متاثر نہ ہوئے۔ ایلی ادنانے ذرا منہ بنا کر ناک میں بولتے ہوئے کہا "اچھا تو یہی مگرمچھ ہے! میرا خیال تھا کہ وہ بالکل ——— بالکل ہی مختلف ہوگا"

شاید اس کا خیال تھا کہ وہ جواہرات کا ہوتا ہے۔ اتنے میں مگرمچھ کا جرمن مالک جو اسے نمائش کے لئے لایا تھا اندر آیا اور ہماری جانب نہایت شان سے فخریہ انداز میں دیکھنے لگا۔

آئی وَان میتھ فانتش نے چپکے سے کہا "بھئی ٹھیک تو معلوم ہوتا ہے کیونکہ روس میں کسی اور شخص نے مگرمچھ کی نمائش نہیں کی ہے!!

چونکہ آئی وَان اس وقت بہت مسرور تھا اس لئے میں نے اس بے معنی بات کو اس کی ظریفانہ موج کا نتیجہ سمجھا خاص کر اس وجہ سے کہ اس کے مزاج میں رشک کا مادہ بہت ہے۔

"میں سمجھتی ہوں تمہارا مگرمچھ مرا ہوا ہے" ایلی ادنانے جرمن کی بد اخلاقی سے چڑ کر لیکن بڑے دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ——— خالص نسوانی چال سے۔

"نہیں خاتون" جرمن نے اپنی ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں حوض پر سے جال کو اونچا کرتے ہوئے کہا اور بیت سے مگرمچھ کو آہستہ آہستہ چھیڑنا شروع کیا۔

دیو ہیکل جانور نے زندگی کا ثبوت دینے کے لئے اپنے پنجوں اور

دُم کو خفیف سی حرکت دی، سر اٹھایا اور ایسی آواز نکالی جیسے کوئی سوں سوں کرے۔

"ہاں ہاں خفامت ہو" جرمن نے فخر محسوس کرتے ہوئے پیار سے کہا۔

"کیسا خوف ناک جانور ہے۔ مجھے تو اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے" ایلی اونا نے بڑے ناز سے کہا "اب تو یہہ خواب میں بھی نظر آئے گا"۔

"مگر کاٹے گا نہیں" جرمن نے عاشقانہ نیازمندی سے کہا اور زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگا لیکن ہم میں سے کسی نے اسکی طرف توجہ نہ کی۔

"آؤ سیمیوں!" ایلی اونا نے میری جانب مخاطب ہوتے ہوئے کہا "چلو بندر دیکھیں۔ مجھے بندر بہت پسند ہیں۔ بعض تو بڑے پیارے ہوتے ہیں ——— لیکن مگرمچھ تو بڑا ہیبتناک جانور ہے"۔

"ڈرو نہیں میری جان" آئی وَان نے بیوی کے سامنے دلیری کا اظہار کرتے ہوئے پکار کر کہا "فرعونوں کی سرزمین کا یہ متوالا باشی ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے!"۔ یہہ کہہ کر وہ حوض کے پاس ہی ٹھہر گیا اور جیسا کہ انہوں نے ہم سے بعد میں کہا، دستانہ اتار کر مگرمچھ کی ناک کو اس سے گدگدانا شروع کر دیا۔

اس کا مقصد یہہ تھا کہ مگرمچھ پھر سوں سوں کرنے لگے۔ جرمن محافظ ایک ناتوں کی خاطر ہمارے ساتھ بندروں کے پنجرے کی طرف چلا آیا۔
ابھی تک سب کچھ ٹھیک تھا اور آنے والی مصیبت کی کوئی علامت نہیں تھی۔ ایلی اونا کو بندر اتنے پسند آئے کہ وہ انہیں دیکھ کر سب کچھ بھول گئی۔ وہ خوشی سے کئی مرتبہ چیخ اٹھی اور مسلسل باتیں کرتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ محافظ کو قطعاً نظرانداز کردینا چاہتی ہے۔ کبھی دوستوں اور رشتہ داروں کی بندروں سے ملتی جلتی صورتیں یاد کرکے قہقہے مار ہنس سکتی اور کبھی اشارے سے نام لے لے کر بتاتی کہ اس کی صورت اس سے ملتی ہے اور اس کی اس سے۔ خود مجھے بھی لطف آرہا تھا کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بعض حضرات کی صورتیں واقعی بندروں سے ملتی جلتی تھیں۔
جرمن محافظ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہنسے یا نہ ہنسے اس لئے ناک بھوں چڑھا کر خاموش کھڑا ہوگیا یکایک ایک جگرخراش ——
بلکہ میں کہہ سکتا ہوں —— بالکل غیر فطری چیخ بلند ہوئی جس سے درودیوار ہل گئے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور میں اسی مقام پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے بعد جب ایلی اونا چیخی تو میں تیزی سے پلٹا —— میں نے دیکھا۔ میں نے دیکھا۔ اُف میرے معبود!
میں نے دیکھا کہ بدنصیب آئی وان مگرمچھ کے خوفناک جبڑوں کے بیچ میں ہے جو اسے نیچے کمر سے پکڑے ہوا میں بلند کئے ہوئے ہے

اور آئی وَن مایوسی سے پاؤں مار رہا ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ، اور بس۔

لیکن میں تفصیل سے سارا واقعہ سناؤں گا کیونکہ میں نے تمام وقت بے حس و حرکت اسی مقام پر کھڑے رہ کر پورے واقعات کو اتنی تفصیل اور توجہ سے دیکھا جتنی توجہ اور تفصیل سے میں نے زندگی بھر میں کوئی واقعہ نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس جانستان لمحہ میں خیال کیا کہ اگر کہیں آئی وَن کے بجائے یہ حادثہ مجھے پیش آتا! کتنا تکلیف دہ ہوتا میرے لئے! لیکن آدم خور مقصد مگرمچھ نے بیچارے آئی وَن کو پلٹانا شروع کیا۔ پہلے اس کے پاؤں نگلے۔ اس کے بعد آئی وَن کو جو اب تک بڑی بہادری سے حوض کی کنگر پکڑ کر باہر کود جانے کی کوشش کر رہا تھا ذرا باہر نکالا اور اس کے بعد اپنے حلق میں کمر تک گھسیٹ لیا۔ اس کے بعد قدرے باہر نکلنے کا موقع دیا اور پھر نگل لیا۔ آئی وَن ہماری نظروں کے سامنے سے غائب ہو رہا تھا۔ آخرکار مگرمچھ نے میرے قابل دوست کو پورا کا پورا نگل لیا۔ ہم نے دیکھا، اپنی آنکھوں سے کہ آئی وَن مگرمچھ کے پیٹ میں غائب ہو گیا۔ قریب تھا کہ میں چیخ اٹھوں۔ اتنے میں ظالم قضا و قدر نے ہمارے ساتھ ایک اور مذاق کیا۔ مگرمچھ اک دم پھول گیا غالباً اتنے بڑے نوالہ کے باعث جسے اس نے ابھی ابھی نگلا تھا۔ اس نے اپنا

خوف ناک منہ کھولا اور ایک مرتبہ پھر آئی وَن کا سر باہر نکلا۔ اس پر خوف اور دہشت برس رہی تھی۔ سر باہر نکلتے ہی اسکی عینک جو ناک پر رکھی ہوئی تھی گر کر حوض میں ڈوب گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس کا سر صرف اسی لئے باہر نکلا تھا کہ دنیا پر ایک نظر بازپسین ڈالے اور دنیا کی مسرتوں کو خاموشی سے خدا حافظ کہہ دے لیکن اس کا بھی اسے موقع نہیں ملا اور ایک ہی لمحہ میں اس کا سر نظروں سے غائب ہو گیا، ہمیشہ کے لیئے۔

ایک زندہ چلتے پھرتے انسان کے حاضر دغائب ہونے کا یہ نظارہ نہایت خوفناک تھا لیکن ساتھ ہی حادثہ کے خلاف توقع اور اتنی تیزی سے پیش آنے یا ناک پر سے عینک گرنے کی مضحکہ خیز کیفیت کے سبب سے یکایک مجھ پر ہنسی کا ایک شدید دورہ پڑا لیکن فوراً ہی اس خاندان سے اپنے دوستانہ تعلقات کو یاد کر کے میں نے سوچا کہ اس موقع پر ہنسنا نہایت نازیبا ہے، جلدی سے ایلی ا دنا آئی دانوفنا سے نہایت ہمدردانہ لہجے میں کہا "آئی دَن کو ختم ہی سمجھنا چاہیئے"۔

اس تمام عرصہ میں ایلی ادنا کی حالت ناقابل بیان تھی۔ پہلی آواز پر وہ سہم کر کھڑی ہو گئی اور اس منظر کی طرف دیکھتی رہی لیکن اس طرح جیسے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اگرچہ خوف سے اس کی آنکھیں نکل آئی تھیں اس کے بعد اس نے ایک دلگداز

چیخ ماری۔ میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اس نوبت پر نگہبان نے بھی جو ڈر کے مارے بدحواس کھڑا ہوا تھا ہاتھ باندھے اور آسمان کی طرف نظریں کر کے زور سے کہا "آہ۔ میرے مگرمچھ! امان! امان! امان!"

اس کی آواز پر عقبی دروازہ کھلا اور "اماں" جو گندی غلیظ اور ادھیڑ عمر کی عورت تھی ٹوپی پہنے ہوئے چیختی چلاتی بیٹے کی طرف آئی۔

اس کے بعد شور وغل ہونے لگا۔ ایلی اونا آئی نوفنا دیوانوں کی طرح بار بار چلاتی تھی "اسے کاٹو اسے کاٹو" وہ کبھی نگران کی طرف بھاگ کر جاتی اور کبھی اس کی ماں کے جانب اور "کاٹنے" کی التجا کرتی تھی لیکن ماں بیٹے میں سے کسی نے ہماری طرف توجہ نہ کی۔ دونوں کے دونوں حوض کے کنارے کھڑے ہوئے سور کی طرح چلا رہے تھے۔

"مر گیا وہ۔ اس کا پیٹ پھٹ جائے گا" محافظ نے کہا

"ہمارا مگرمچھ! ہمارا مگرمچھ!" ماں نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم یتیم ہو گئے، بے آب و دانہ" بیٹے نے رو کر کہا۔

"کاٹو، کاٹو۔ اسے کاٹ ڈالو" ایلی اونا آئی وانوفنا

نے جرمن کا کوٹ پکڑ کر کہا

"اس نے مگرمچھ کو ستایا تھا۔ ہاں تمھارے آدمی نے مگرمچھ کو ستایا تھا" محافظ نے کوٹ چھڑا کر کہا۔

"اگر مگرمچھ کا پیٹ پھٹا تو تمھیں ہرجانہ دینا پڑے گا۔ وہ میرا بیٹا تھا، میرا بیٹا"

"کاٹ ڈالو اسے" آئی وانوفنا نے چلّا کر کہا۔

"کیسے! میرا مگرمچھ مر جائے گا نا!۔ نہیں پہلے تمھارا آدمی مرے پھر میرا مگرمچھ مرے گا۔ میرا باپ مگرمچھ دکھاتا تھا۔ میرا دادا مگرمچھ دکھاتا تھا۔ میں مگرمچھ دکھاتا ہوں اور میرا بیٹا مگرمچھ دکھائے گا ہم سب یورپ میں مشہور ہیں اور تمھیں مگرمچھ کی قیمت دینی پڑے گی۔"

"ہاں ہاں" بڈھی نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "تم نہیں جا سکتیں۔ مگرمچھ کا پیٹ پھٹ جائے گا۔"

"اسے کاٹنے سے کوئی فائدہ نہیں" میں نے اس توقع پر کہ ایلی اونا آئی وانوفنا کو مزید پریشانی سے بچا کر گھر پہنچا سکوں اطمینان سے کہا "کیونکہ اب تو ہمارے پیارے آئی ون میٹ فائش کی روح فضا میں پرواز کر رہی ہو گی۔"

"میرے پیارے دوست!" اس وقت میٹ فائش کی آواز آئی "میرے پیارے دوست میرا مشورہ یہ ہے کہ محکمہ پولیس کے ذریعہ کارروائی کی جائے کیونکہ پولیس کی مدد کے بغیر کوئی

جرمن حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔"

یہ الفاظ بڑی سنجیدگی سے کہے گئے تھے، نہایت اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ۔ پہلے تو ہمیں اتنا تعجب ہوا کہ ہم اپنے کانوں پر اعتبار نہ کر سکے لیکن پھر جلدی سے دوڑ کر ہم حوض کے کنارے پہنچ کر بے چارے قیدی کی باتیں سننے لگے۔ اس وقت ہمارے دل میں احترام اور بے اعتمادی کے جذبات ملے جلے تھے۔ اس کی آواز دبی ہوئی اور آہستہ آہستہ آرہی تھی جیسے کوئی دور بیٹھا ہوا باتیں کر رہا ہو۔

"میرے پیارے آئی وَن میٹ فالیش! کیا تم زندہ ہو؟" ایلی اونا نے کہا۔

"زندہ اور آرام سے بھی" میٹ فالیش نے جواب دیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ مگر مچھ مجھے پورا کا پورا نگل گیا اور مجھے کوئی زخم نہیں آیا۔ میں اب صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اعلیٰ عہدیدار اس واقعہ کے متعلق کیا سوچیں گے کیونکہ باہر جانے کا ٹکٹ لے کر مگرمچھ کے پیٹ میں چلے جانے کو دانائی نہیں کہا جا سکتا"

"پیارے اس کی فکر اس وقت نہ کرو۔ پہلے تو کسی طرح مگرمچھ کا پیٹ چاک کر کے تمہیں باہر نکالنا ہے" ایلی اونا نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چاک کر کے؟" جرمن نے چلا کر کہا "میں اپنے مگرمچھ کا پیٹ..

چاک نہ کرنے دوں گا۔ اب لوگ کثرت سے دیکھنے آئیں گے میں ہر ایک سے پچاس کوپک لونگا اور مگرمچھ کا پیٹ بھی نہیں پھٹے گا۔"

"خدا کا شکر ہے" بڑھی نے اب لمبی سانس لیکر کہا

"سچ کہتے ہیں یہ" میسٹ فالیش نے کہا "ہر کام سے پہلے معاشی اصول پر نظر رکھنی چاہیئے۔"

"پیارے دوست" میں خدا کے پاس جاکر فوراً شکایت کروں گا کیونکہ میرا خیال ہے کہ یہاں باہمی طور پر معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے" میسٹ فالیش نے جواب دیا "لیکن بلا معاوضہ دیئے اسمر مالی پیچیدگیوں کے زمانے میں مگرمچھ کا پیٹ چاک کروانا مشکل ہے اور یہ سوال بہرحال ہمارے سامنے موجود رہتا ہے کہ اس کا معاوضہ کون ادا کریگا کیونکہ تم جانتے ہو میرے پاس روپیہ نہیں"

"کیا تمہیں یقینی تنخواہ نہیں مل سکتی...؟" میں نے نرمی سے کہنا شروع کیا لیکن جرمن نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا کہ "میں فروخت نہ کروں گا۔ میں تین ہزار میں بیچوں گا۔ چار ہزار میں بیچوں گا۔ میں پانچ ہزار میں بیچوں گا۔" اس کی آنکھوں میں حرص و آز کی آگ چمک رہی تھی اور وہ مسلسل دام

بڑھا رہا تھا۔

"میں جاتا ہوں" میں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اور میں۔ میں بھی آندرے اوسی پیش کے پاس جاؤں گی اور اپنے آنسوؤں سے اسے راضی کر لوں گی۔۔۔۔۔۔۔" ایلی اونا بولی۔

"نہیں نہیں پیاری ایسا نہ کرو" آئی ون میٹ فالیش نے جلدی سے کہا کیونکہ یہ آندرے اس کی بیوی کو میٹھی نظروں سے دیکھتا تھا اور میٹ فالیش کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ایلی اونا کو آندرے کے سامنے جو بڑا نفاست پسند شخص ہے رونے میں خوشی ہوگی کیونکہ روتے وقت وہ بہت حسین معلوم ہوتی ہے۔

"اور تم، میرے دوست ٹموتھی سمیونش کے پاس جاؤ" اس نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "ایلی اونا کو ساتھ لے جاؤ۔"

"صبر کرو میری جان!" اس نے ایلی اونا سے کہا "میں اس تمام شور و غل اور عورتوں کی چیخ پکار سے بیزار ہوں اور ذرا پلک جھپکا لینا چاہتا ہوں۔ یہ جگہ نہایت نرم اور کافی گرم معلوم ہوتی ہے۔ گو میں نے اپنی پناہ گاہ کو ابھی اچھی طرح نہیں دیکھا ہے۔"

"دیکھا نہیں؟ کیا اندر روشنی بھی ہے؟" ایلی اونا نے

مسرت سے کہا۔

"میرے ارد گرد ایسی تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا" غریب قیدی نے جواب دیا "لیکن میں محسوس کر سکتا ہوں یا یوں کہو کہ ہاتھوں سے دیکھ سکتا ہوں۔ خدا حافظ۔ صبر کرو اور جاؤ جا کر اپنا دل بہلاؤ۔ اور تم سیمیوان سیمیونش! آج شام کو میرے پاس آنا اور دیکھو چونکہ تم بہت زیادہ بھلکڑ ہو اس لئے رومال میں گرہ دے لو۔"

مٹوفی سیمیونش نے جلدی اور سراسیمگی کے ساتھ میرا استقبال کیا مجھے اپنے ساتھ دارالمطالعہ لے گیا اور دروازے بند کر لیے "تاکہ بچے ہمیں پریشان نہ کریں" جیسا کہ اس نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اس نے مجھے میز کے پاس کرسی پر بٹھایا اور خود آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ اپنے ڈریسنگ گون کو سمیٹا اور عہدیداروں کی سی خشک صورت بنائی حالانکہ نہ تو میں اس کا ماتحت تھا اور نہ آئی ڈان میٹ نانش۔ کیونکہ وہ بھی ہماری طرح سرکاری ملازم تھا۔

"پہلی بات یہ ہے" اس نے کہا "اس بات کو یاد رکھو کہ میں حاکم مقتدر نہیں ہوں۔ تمہارے یا آئی ڈان کی طرح میں بھی ماتحت ہوں اور چونکہ غیر متعلق ہوں اس لئے خود کو کسی جھنجھٹ میں پھنسانا نہیں چاہتا۔"

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے سارے واقعات کا علم ہو چکا ہے۔
مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن پھر بھی میں نے سارا واقعہ سنایا پوری تفصیلات کے ساتھ نہایت پُر اثر طریقہ سے کیونکہ اس وقت میں ایک سچے دوست کے فرائض ادا کر رہا تھا۔ وہ نہایت خاموشی سے کسی قسم کا تعجب ظاہر کئے بغیر سنتا رہا لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری باتیں مشتبہ معلوم ہو رہی ہیں"۔
"ذرا سوچو تو" میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا "میرا ہمیشہ سے یہی خیال تھا کہ اسے یہ حادثہ ضرور پیش آنے والا ہے"۔
"مگر کیوں ہ ٹموفی سیمیونش ــــــ یہ واقعہ تو نہایت غیر معمولی معلوم ہوتا ہے نا"!!
"یقیناً! لیکن زندگی بھر آئی ون میٹ وانش اسی انجام کو پہنچنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ تیز ہے اور ہاں نہایت خود پسند بھی۔ ہمیشہ "ترقی" اور جدید زہریلے خیالات ــــــ ترقی کا یہی انجام ہے"۔
"مگر یہ تو نہایت غیر معمولی واقعہ ہے۔ جملہ ترقی پسندوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا"۔
"ہاں۔ مگر اسے یوں دیکھو۔ یہ سب تعلیم کی وجہ سے ہے۔ ــــــ یقین مانو اسی کے باعث ــــــ زیادہ پڑھے لکھے لوگ

ہر کام میں مداخلت کرتے رہتے ہیں خصوصاً ایسے معاملات میں جہاں ان کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ پھر بھی تم تو اچھی طرح جانتے ہو؟" اس کے بعد ذرا آزردگی سے میں نے کہا "میں بوڑھا آدمی ہوں اور میری تعلیم بھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی جتنی تمہاری ۔ سیاہیوں کے بچوں کے مدرسے میں تعلیم پاکر سرکاری ملازمت میں داخل ہوگیا اور امسال پچاس سال ختم کر چکا ہوں ۔"

"مگر نہیں موتی سمیونش! بھلا تم کیوں کر اس کی مدد کرنے سے انکار کر سکتے ہو ۔ آئی وان میٹ فائنش تمہارے مشورہ کے طلبگار ہیں، تمہاری رہنمائی کے ۔ سچ پوچھو تو آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ۔"

"آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ؟ ۔ ہونہہ لیکن وہ آنسو مگرمچھ کے آنسو ہیں ۔ ان کا اعتبار ہی کیا ۔ ذرا یہ تو بتاؤ انھیں باہر جانے کی کیوں سوجھی ؟ روپیہ کہاں سے آیا ؟ ان کے پلے تو کچھ نہیں ۔ کیوں ہے کچھ ؟"

"کچھ اندوختہ ہے" میں نے بڑے رنج داندوہ سے کہا "سابقہ تنخواہ میں سے ۔ صرف تین مہینے کے سفر پر جانے کا خیال تھا ـــــ سوئٹزرستان جانا چاہتے تھے جو ولیم ٹل کا وطن ہے ۔"

"ولیم ٹل ۔ ہونہہ ۔"

"اور نیپلز جانے کا بھی خیال تھا۔ وہاں کی بہار دیکھنے کے لئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں کا عجائب خانہ دیکھیں اور لوگوں کے طرز زندگی اور جانوروں کا مطالعہ کریں۔"

"ھنوں۔ کون سے جانور؟ میری رائے میں تو ڈھونگ اور مشیخت کے سوا اور کچھ نہیں۔ کون سے جانور؟۔ ہونہہ جانور! کیا ہمارے وطن میں کافی جانور نہیں؟ ہمارے ملک میں بھی جڑیا گھر ہیں عجائب خانے ہیں۔ اونٹ ہیں۔ پیٹرسبرگ کے پاس ہی جنگلی ریچھ رہتے ہیں لیکن وہ تو مگرمچھ کے منہ میں کو دگئے۔"

"تموفی سیمیونتش! خدا کے لئے رحم کرو ۔۔۔۔ ایک شخص مصیبت میں ہے ایک شخص تمھیں بزرگ سمجھ کر مصیبت کے وقت میں مشورہ دینے کے لئے التجا کرتا ہے اور ۔۔۔۔ تم ملامت کرتے ہو۔ رحم کرو رحم کم از کم بیچاری ایلی اونا ائی وانوفنا پر۔"

"تم اس کی بیوی کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ بڑی حسین عورت ہے۔" تموفی نے ناس کی چٹکی لے کر قدرے جوش لیکن نرمی سے کہا "بڑی نفاست پسند ہے۔ حسین اور گداز بدن۔ سر ایک طرف قدرے جھکا ہوا۔ بہت قبول صورت ۔۔۔۔ ہاں آندرے اوسی پیش نے پرسوں پھر اس کا ذکر کیا تھا۔"

"ذکر کیا تھا؟"

"ہاں۔ بڑی تعریف کرتے ہوئے" اتنا دلکش بدن ہے!

ایسی رسیلی نظریں ہیں، ایسے حسین بال ہیں۔ بس مصری کی ڈلی ہے مصری کی ڈلی!" اس نے کہا عورت نہیں مصری کی ڈلی ہے اور ہنسنا شروع کیا۔ بات یہ ہے کہ دونوں نوجوان ہیں" اس موقع پر ٹوفی نے زور سے ناک صاف کی اور کہا "پھر بھی نوجوان ہونے کے باوجود اس نے کتنی ترقی کی ہے۔"

"ہاں لیکن یہ تو اور ہی بات ہے" میں نے کہا

"ہاں ہاں۔"

"اچھا تو پھر اب کیا کرنا چاہیئے؟"

"میں کیا ——— میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ تجربہ کار آدمی ہیں ہمیں مشورہ دیجیئے۔ ہماری رہنمائی کیجیئے ——— باپ کی طرح۔ ایک شفیق باپ کی طرح۔ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ حکام کے پاس جائیں کیا؟"

"حکام کے پاس؟ ہرگز نہیں۔" ٹوفی نے زور سے کہا "میری بات سنتے ہو تو مناسب یہی ہے کہ قضیہ کو دبا دو اور پرائیوٹ طور سے معاملہ کرلو۔ یہ ذرا مشتبہ معاملہ ہے۔ ایسا معاملہ کبھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ خرابی تو یہی ہے کہ ایسا پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا۔ اس کی کوئی نظیر نہیں ——— بہت خراب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلی چیز احتیاط ہے۔ جہاں ہے اسے ذرا دیر وہیں رہنے دو۔ اسے صبر سے کام لینا چاہیئے

صبر سے۔"

"لیکن وہ رہ کیسے سکتا ہے وہاں؟ فرض کرلو سانس گھٹ کر مر جائے۔"

"مرے گا کیوں۔ تم نے کہا تھا نا کہ اس نے اپنے لئے وہاں ایک آرام دہ جگہ بنا لی ہے۔"

میں نے سارا قصہ پھر سنایا۔ ٹوفی نے غور کیا۔ "ھنون" ناس کی ڈبیہ اٹھاتے ہوئے اس نے کہا" میرے خیال میں تو باہر جانے سے بہتر یہی ہے کہ وہ کچھ دیر اور وہیں رہے۔ وہاں وہ اطمینان سے سوچ سکتا ہے سانس نہیں گھٹے گی۔ البتہ اسے اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے ——— میرا مطلب یہ ہے کہ اسے کھانسی وغیرہ کی قسم سے کوئی چیز نہ ہو ——— رہا جرمن محافظ۔ تو اس کے بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ ٹھیک کہتا ہے، دوسرے فریق کے مقابلہ میں۔ کیونکہ دیکھو نا آئی وان میٹ فاینش بلا اجازت مگرمچھ کے منہ میں چلا گیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آئی وان میٹ فاینش کے پاس کوئی ذاتی مگرمچھ نہیں تھا مگرمچھ شخصی جائداد ہے اس لئے بلا معاوضہ کے میرے خیال میں اس کا پیٹ چاک نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹوفی صاحب یہ ایک انسانی جان کا سوال ہے!"

"اس کا تعلق پولیس سے ہے اس لئے تمہیں وہیں درخواست

دینی چاہیئے"

"لیکن وہاں آئی ون میٹ فالیشن کی ضرورت ہو گی۔ اسے بلایا جائے گا۔"

"آئی ون میٹ فالیشن کی ضرورت ہو گی؟ ہ ہ ہ ہ ہ ہا۔ مگر وہ تو رخصت پر متصور ہو گا۔ اس لئے ہمیں سارا واقعہ نظر انداز کرکے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ یورپ کی سیر کر رہا ہے۔ ہاں اگر رخصت ختم ہونے پر واپس نہ ہو تو دوسرا معاملہ ہو گا۔ اس وقت ہم تحقیقات کریں گے۔"

"یعنی تین مہینے بعد! اف اٹموفی صاحب رحم، خدا کے لئے رحم کرو۔"

"یہ تو خود اس کی حماقت کے سبب سے ہے۔ اس سے کس نے کہا تھا کہ مگرمچھ کے منہ میں گھس جاؤ؟ میرا خیال ہے کہ اب حکومت کے خرچ سے ایک نرس مقرر کی جائے گی حالانکہ ضابطہ ملازمت میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ مگرمچھ چونکہ جائداد ہے اس لئے معاشی سوال پیدا ہو جاتا ہے جسے ہر چیز پر اولیت حاصل ہے۔ پرسوں اگناتی پروکوفچ اس کے متعلق کہہ رہے تھے۔ وہ ایک بڑے سرمایہ دار اور تاجر ہیں۔ انھوں نے بڑے وثوق سے کہا "ہمیں صنعت کی ضرورت ہے اور اسے فروغ دینا چاہیئے۔ ہمیں سرمایہ مہیا کرنا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ ہمیں چاہیئے کہ

ایک متوسط طبقہ پیدا کریں مطلب یہ کہ بورژوا طبقہ۔ چونکہ ہمارے پاس کافی سرمایہ نہیں اس لئے ہمیں بیرونی ممالک سے قرض لینا چاہئے۔ پہلے تو بیرونی کمپنیوں کو پوری آزادی ملنی چاہئے کہ ہمارے ملک میں آراضی خریدیں اسی طرح جیسے دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے" پھر انھوں نے کہا کہ اشتراکی جائداد زہر ہے زہر اور بربادی کی نشانی بھی۔ اس کے بعد بڑے جوش و خروش سے کہا ——— ایسے لوگوں کو جیسے کہ وہ خود ہیں، اس طرح کہنے کا حق حاصل ہے ——— کہ مشترک جائداد سے نہ تو صنعت کو فروغ ہوگا اور نہ زراعت کو۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بیرونی کمپنیاں ہمارے ملک میں جستہ جستہ آراضیات خریدیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ممکنہ حد تک تقسیم کرکے شخصی جائداد کے طور پر فروخت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ بالکل فروخت نہ کریں بلکہ پٹہ پر اٹھائیں۔ جب سارا ملک بیرونی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہوگا اس وقت حسب مرضی لگان میں اضافہ ہو سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اب کے مقابلہ میں غذا کے لئے کسان تین گنا زیادہ کام کریں گے اور ہم جو سلوک چاہیں گے ان کے ساتھ کر سکیں گے۔ وہ مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے اور موجودہ اجرت پر اب سے تین گنا زیادہ کام کر سکے گے لیکن موجودہ مشترک جائداد کی شکل میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ بھوکا نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کام نہیں کرتا، اور کاہل ہو کر پینے لگتا ہے۔ علاوہ ازیں باہر سے روپیہ آنے پر سرمایہ اور بورژوا

طبقہ پیدا ہو جائے گا۔ انگریزی سیاسی اخبار "ٹائمز" ہمارے مالیہ کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "ہمارے مالیہ کے ترقی نہ کرنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہمارے ملک میں متوسط طبقہ نہیں۔ بڑی بڑی تھیلیاں نہیں۔ پروتاریہ مطیع نہیں ——" اگنانی بولتا خوب ہے —— خطیب ہے خطیب۔ حکام کے پاس ایک رپورٹ بھیجنے والا ہے جو بعد میں اخبار اطلاعات میں شائع ہوگی۔ یہ چیز آئی دن میٹ فائیش اور اس کی تنگ بندی سے بالکل مختلف ہے۔"

"آئی ون میٹ فائیش؟ ہاں میں اب اسی طرف آ رہا تھا۔ دیکھو بات یہ ہے کہ ہم بیرونی سرمایہ کو اپنے ملک میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب تم ہی غور کرو۔ گلریچھ کا مالک ایک بیرونی شخص ہے جو یہاں آگیا ہے۔ اس کے سرمایہ کو آئی ون میٹ فائیش کے سبب سے دوگنا ہونے کا موقع ملا اور ہم چاہتے ہیں کہ بیرونی مالک جائیداد کی حفاظت کریں —— اس کے بنیادی سرمایہ یعنی گلریچھ کا پینٹ پھاڑنے کے لئے آمادہ ہیں کیا یہ صحیح اصول ہے؟ میری رائے میں تو آئی ون میٹ فائیش کو وطن کے سپوت کی حیثیت سے خوش ہونا اور فخر کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنا اضافہ کر کے بیرونی گلریچھ کی مالیت کو دوگنا کر دیا ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اب یہی مالیت سہ گنی ہو جائے۔ بیرونی سرمایہ کو ملک میں کھینچنے کے لئے یہ ایک ضروری چیز ہے۔ اگر ایک شخص کو کامیابی ہوئی تو دوسرا شخص ایک

اور مگرمچھ لے آئے گا اور اس کے بعد ظاہر ہے تیسرا شخص دو نئے مگرمچھ لے آئے۔ اس کے گرد سرمایہ جمع ہو جائے گا اور اس طرح بورژوا طبقہ بھی پیدا ہو جائے گا میرے دوست! ہمت افزائی ہونی چاہیئے ان لوگوں کی ہمت افزائی!"

"لیکن" میں نے زور سے کہا۔ "تم تو آئی وان میٹ فائش سے فوق الفطرت قربانی کا مطالبہ کر رہے ہو!"

"اچھا تو پھر اس سے کس نے کہا تھا کہ جاؤ اور مگرمچھ کے منہ میں کود پڑو۔ معزز حیثیت والا شادی شدہ آدمی اور اچانک ایسی حرکت! کوئی مطابقت ہے؟"

"لیکن اس نے ارادۃً تھوڑے ایسا کیا تھا!"

"میں کیسے مانوں۔ مگرمچھ کے مالک کو معاوضہ کیونکر دیا جائے؟ نہیں نہیں اسے وہیں ٹھہرنا چاہیئے جہاں وہ اس وقت ہے۔ اسے کہیں جانے کی جلدی بھی تو نہیں۔"

اتنے میں ایک عجیب خیال میرے ذہن میں آیا۔

"اچھا کیا یوں ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا "اگر آئی وان کی قسمت ہی میں یہ لکھا ہے کہ وہ مگرمچھ کے پیٹ میں رہے اور خدا کے حکم سے زندہ بھی رہے تو کیا وہ درخواست بھیج سکتا ہے کہ اسے اس دوران میں اپنی خدمت پر کارگزار تصور کیا جائے؟"

"ہوں۔ کیا تمہارا مطلب رخصت بلا تنخواہ سے ہے؟"

"نہیں ۔ مع تنخواہ"

"کس بنا پر؟"

"حکومت یہ تصور کرے کہ وہ سرکاری کام سے کسی مہم پر گیا ہے ـــــــ"

"کیسی مہم؟ اور کہاں؟"

"پیٹ میں ـــــــ مگرمچھ کے پیٹ میں . . . . . معلومات حاصل کرنے کے لئے تاکہ اصلی مقام پر جاکر معلومات حاصل کی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک نیا خیال ہے لیکن سبے ترقی پسندانہ ساتھ ہی اس سے ہماری حکومت کی تعلیمی دلچسپی کا بھی اظہار ہوگا"

ٹموفی سمیونش سوچنے لگا۔

"کسی عہدیدار کو بھیجنا" اس نے کہا "مگرمچھ کے پیٹ میں کسی خاص مشن پر ۔ میری رائے میں مہمل ہے اور ضابطہ ملازمت کے خلاف بھی۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئی وان وہاں کونسی خدمت انجام دیںگے؟"

"فلسفہ فطرت کا مطالعہ ـــــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اصل مقام پر جاکر فطرت کا مطالعہ ۔ زندہ جسم میں رہ کر ۔ آج کل نیچرل سائنس کا شور ہے اور نباتات اور ایسی تمام چیزوں پر توجہ دی جارہی ہے ـــــــ آئی وان وہیں رہ کر معلومات فراہم کرسکتے ہیں ـــــــ مثلاً مگرمچھ کے ہاضمہ کے بارے میں یا عام عادات واطوار اور طور وطریق سے متعلق ـــــــ حقیقی معلومات حاصل کرنے کے لئے ـــــــ"

تو مطلب یہ ہے کہ محکمۂ اعداد و شمار میں۔ بھئی سچ پوچھو تو مجھے اس مسئلہ سے پوری طرح واقفیت نہیں اور پھر میں فلسفی بھی تو نہیں۔ تم کہتے ہو واقعہ ــــــ تو ہمارے سامنے کثرت سے واقعات موجود ہیں لیکن معلوم نہیں کیا کیا جائے اور ــــــ دیکھئے نا اعداد خطرناک بھی تو ہوتے ہیں!"

"وہ کیونکر؟"

"نہایت خطرناک! آپ کو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کہ آئی دن ان واقعات کی اطمینان سے لیٹے لیٹے حکومت کو اطلاع دیا کرینگے۔ بھلا سرکاری ملازم ہو کر لیٹے لیٹے کیونکر کام کیا جا سکتا ہے۔ بھئی یہ تو ایک انوکھی بات ہے اور خطرناک بھی۔ علاوہ ازیں اس کی کوئی نظیر بھی موجود نہیں اگر ہو تو کمیشن کا انتظام کیا جا سکیگا۔"

"لیکن اب تک تو کوئی مگرمچھ یہاں لایا ہی نہیں گیا تھا" میں نے کہا

"ھنوں۔ درست" اس نے سوچتے ہوئے کہا "تمھاری بات ایک حد تک درست ہے اور مقدمہ کو آگے بڑھانے میں اس سے مدد ملے گی لیکن پھر بھی اگر مگرمچھوں کے آنے سے سرکاری حکام غائب ہونے لگیں اور اس خیال سے کہ ان کے اندر رہنے کے لئے نرم و گرم جگہ موجود ہے ان کے پیٹ میں رہ کر سرکاری خدمت انجام دینے کی درخواست کریں اور وہاں لیٹے لیٹے گذاریں تو پھر تمھیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کوئی اچھی نظیر نہ ہوگی کیونکہ ہر شخص یہی چاہے گا کہ بغیر کوئی کام کئے ہوئے تنخواہ طلب کرے۔ خیر خدا حافظ۔ مجھے نِکی فورنِکی فورتش کے پاس جانا ہے۔

چھنتے ہو؟"

"نہیں مجھے قیدی کے پاس جانا ہے!"

"قیدی؟ ہاں ہاں قیدی کے پاس۔ اُوہ ہ ہ۔ حماقت کا یہی انجام ہے"

چھنہ پہنچتے پہنچتے تقریباً نو بج چکے تھے۔ اس لئے مگر مچھ کے کمرے میں عقبی دروازے سے داخل ہونا پڑا کیونکہ جرمن نے خلاف معمول اپنی نمایش گاہ کو قبل از وقت بند کر دیا تھا اور اپنا میلا کچیلا کوٹ پہنے اطمینان سے ٹہل رہا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اب اُسے کوئی پریشانی نہیں اور آج بہت کافی آمدنی ہوئی ہے۔ اتنے میں غالباً میری نگرانی کے لئے "ماں" بھی نکل آئی۔ ماں بیٹے نے کئی مرتبہ سرگوشیاں کیں۔ اگرچہ دروازہ بند کیا جا چکا تھا پھر بھی جرمن نے مجھ سے اندر داخل ہونے کی فیس ۲۵ کوپک وصول کی جسے میں نے اس کی انتہائی زیادتی پر محمول کیا۔

"تم کو ہر مرتبہ ادا کرنا ہوگا۔ عوام ایک روبل دیں گے اور تم صرف ۲۵ کوپک دو گے۔ ہم تمھارے دوست ہیں۔ تمھارے دوست کے اچھے دوست اور میں اپنے دوست کی عزت کرتا ہوں" جرمن نے کہا۔

"کیا میرا دوست زندہ ہے؟ کیا میرا افضل دوست ابھی تک زندہ ہے!"

ع ایک روبل سو کوپک کے برابر ہوتا ہے اور ایک کوپک تقریباً ایک پیسے کے برابر

میں نے مگرمچھ کی طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"بالکل اچھی طرح ، زندہ اور سلامت "جرمن کی آواز دور سے آتی ہوئی سنائی دی "لیکن اس کے متعلق بعد میں بات ہو گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ خبریں کیا ہیں؟"

میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے جلدی جلدی ہمدردانہ طریقہ سے خود ہی میٹ فالتش سے سوالات کرنے شروع کر دئے۔ "مزاج کیسا ہے؟ مگرمچھ کے پیٹ میں تم کیونکر پہنچ گئے؟ اس کے پیٹ کے حالات کیا ہیں؟" لیکن اس نے قدرے چڑچڑے پن سے قطع کلام کرتے ہوئے "کیا خبریں ہیں؟" نہایت غصیلے لہجہ میں کہا جو مجھے بہت ناگوار ہوا لیکن میں نے ٹموفی سیمونتش سے اپنی ساری گفتگو تفصیل سے بیان کی اور بیان کرتے وقت اپنے لہجہ سے یہ بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ مجھے اس سے بہت رنج پہنچا ہے۔

"بڈھے کا خیال درست ہے" آئی وان میٹ فالتش نے کہا "میں عملی آدمیوں کو پسند کرتا ہوں اور جذباتی زنانوں کی فضول حرکتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ بیٹھ جاؤ ——— جی چاہے تو یہاں فرش پر ——— اور میری باتیں سنو"

"مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ اس بات پر غور کرنے کا موقع ملا ہے کہ نوع انسان کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگرمچھ کے پیٹ سے علم اور حق کی روشنی ظاہر ہو گی۔ اب میں ایک جدید معاشی نظریہ ——— معاشیات پر

اپنا ذاتی نظریہ پیش کروں گا ـــــ نئے معاشی تعلقات ـــــ ایک ایسا نظریہ جس پر میں فخر کرسکوں گا اب تک میرا سارا وقت ملازمت اور فضول کاموں میں برباد ہوتا رہا لیکن اب میں ہر نظریہ میں انقلاب پیدا کرکے جدید فورئے[عـــه] بن جاؤں گا۔ ہاں میری بیوی کہاں ہے؟"

میں نے بیان کیا کہ ایلی اور نا آئی وانوفنا کو کس حال میں چھوڑ آیا ہوں لیکن اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "مجھے اس سے بڑی امیدیں ہیں آیندہ ہفتہ سے اسے اپنا دیوان خانہ ہر شام کو کھلا رکھنا چاہیئے۔ مجھے امید ہے کہ جرمن نگران ہر ہفتہ مگر مچھ کے ساتھ مجھے اس کے شاندار دیوان کے سامنے لے جایا کرے گا۔ میں ٹینک میں لیٹے لیٹے دلچسپ باتیں کروں گا ایسی باتیں جنھیں ہر روز صبح و شام سوچ کر اس موقع کے لیئے تیار رکھوں گا۔ میں اپنے مقاصد شعراء اور مدبرین کے سامنے بیان کروں گا۔ شعراء سے شاعری پر گفتگو کروں گا خواتین سے رنگین اور دلکش باتیں کروں گا (لیکن یہ باتیں نہایت سختی سے اخلاقی باتیں ہونگی) اور اس طرح انکے شوہروں کے حق میں اپنے آپ کو مفید ثابت کروں گا۔ رہے باقی لوگ تو ان کے لیئے صبر و رضا کا نمونہ بن جاؤں گا۔"

اگرچہ یہ گفتگو آئی وان میٹ فالیش کے اصلی رنگ میں تھی لیکن مجھے اس گفتگو میں قدرے اضطراب اور لاابالی پن سا معلوم ہوتا تھا۔

عـــه چارلس فورئے ۱۷۷۲-۱۸۳۷ء ایک مشہور اشتراکی مفکر۔

وہ اس وقت اپنے عام معیار سے بیس گنا زیادہ بڑھا چڑھا نظر آرہا تھا۔"

"میرے دوست" میں نے کہا "کیا تمہیں طویل زندگی کی توقع ہے؟ مجھے اپنا حال بتاؤ اچھی طرح تو ہو؟ تم کھاتے سوتے اور سانس کیونکر لیتے ہو؟ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ واقعہ مافوق الفطرت ہے جس کی وجہ سے میرا تجسس بھی خلاف فطرت نہیں۔"

"مگر یہ سب احمقانہ اور کاہلانہ تجسس کے سوا اور کیا ہے؟" اس نے جواب دیا" پھر بھی میں تمہیں مطمئن کر دوں گا۔ تم نے پوچھا ہے کہ میں اس عظیم الجثہ حیوان کے پیٹ میں کیونکر ہوں؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں آنے پر مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مگرمچھ اندر سے بالکل خالی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گٹا پرچا کا ایک بڑا سا خول بنا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھلا اس کے اندر رہنے کے لئے جگہ کیسے مل سکتی تھی؟"

"کیا یہ ممکن ہے؟" میں نے نہایت حیرت سے سوال کیا "کیا مگرمچھ واقعی اندر سے بالکل کھوکھلا ہو سکتا ہے؟"

"بالکل" آئی وان میٹ فالیش نے پورے وثوق سے تصدیق کرتے ہوئے کہا" اور اس امر کا پورا امکان ہے کہ وہ قوانین فطرت کی پوری مطابقت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ مگرمچھ کے صرف جبڑے ہوتے

ہیں جن میں تیز دانت جڑے ہوتے ہیں۔ جبڑوں کے علاوہ ایک ذرا لمبی سی دم ہے اور حقیقت میں بس یہی سب کچھ ہے۔ درمیان یعنی ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں خلا ہے جو چاروں طرف سے ربر جیسی کسی چیز سے گھرا ہوا ہے اور یہ بڑی حد تک ربڑ ہی معلوم ہوتا ہے۔

"لیکن پسلیاں، پیٹ، آنتیں، جگر اور دل؟" میں نے فوراً ہی سوال کیا۔

"ایسی کوئی چیز نہیں۔ واقعی کوئی ـــــ نئی چیز نہیں اور غالباً ایسی کوئی چیز کبھی تھی بھی نہیں۔ یہ تو نادان سیاحوں کی ذہنی پرواز ہے اور بس۔ جیسے ہوا سے فٹ بال پھول جاتا ہے نا بس اسی طرح میرے سبب سے مگرمچھ بھی پھولا ہوا ہے۔ وہ انتہائی لچکدار ہے اور اس لحاظ سے مگرمچھ کا یہ خلا اصول فطرت کے بالکل مطابق ہے کیونکہ فرض کرو تمھیں مگرمچھ بنانے کا کوئی کام سپرد کیا جائے تو سب سے پہلے تمھارے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ مگرمچھ کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟ جواب صاف ہے، "نگل جانا"! یہ مقصد ـــــ یعنی نگل جانا، مگرمچھ بنا کر کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب صاف ہے، "خالی بناؤ"۔ طبیعات نے عرصہ ہوا ثابت کر دیا ہے کہ فطرت خلاء کے خلاف ہے۔ اس قانون کے بموجب مگرمچھ کے اندر خلاء ہونی چاہیئے تاکہ مگرمچھ خلاء کو ناپسند کرے اور ہر سامنے آجانے والی چیز کو خلاء پر کرنے کے لئے نگل جائے۔ یہی سبب ہے کہ مگرمچھ آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ انسان کی ساخت مختلف ہے

کیونکہ جس قدر زیادہ سر خالی ہوتا ہے اسی قدر اس خلا کو بھرنے کی خواہش کم ہوتی ہے اور عام اصول میں یہی ایک استثنا رہے۔ یہ تمام باتیں اب مجھ پر روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہیں۔ میں نے یہ سب چیزیں اپنے تجربے اور ذہن سے معلوم کی ہیں گویا فطرت کے پیٹ میں رہ کر نبض فطرت کی آواز سنتے ہوئے اس کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کیا ہے۔ علم صرف بھی میرے نظریہ کے موافق ہے ــــــــ"

"میرے پیارے دوست؟ میرے خیال میں تمھیں کوئی مسکن دوا استعمال کرنی چاہیئے"۔ مین نے زور سے کہا اور دل میں سوچا کہ" ہرسامی کیفیت ہے!"

"مہمل، فضول" اس نے حقارت سے جواب دیا" میری موجودہ حالت میں دوا کا استعمال نہایت مشکل ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ تم کوئی ٹھنڈی اور مسکن دوائیں تجویز کرنے بیٹھ جاؤ گے"۔

"آئی ون میٹ فائنش!" میں نے کہا" تم ایسی عجیب وغریب باتیں کہہ رہے ہو جن پر یقین کرنا ذرا مشکل ہے۔ کیا واقعی تمھارا خیال یہ ہے کہ تم کبھی کچھ نہ کھاؤ گے؟"

"کیسی احمقانہ باتین کرتے ہو دوست! میں تمھیں بڑی بڑی باتیں بتارہا ہوں اور تم ــــــــ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے عظیم الشان خیالات سے میرے چاروں طرف کی تاریکی نور سے بدل گئی ہے۔ باقی چیزوں کے بارے میں میرے نیک دل نگران نے اپنی ماں سے گفتگو کرلی ہے

اور انھوں نے ملکر تصفیہ کر لیا ہے کہ ہر صبح مگرمچھ کے منہ میں لوہے کی ایک ڈوئی کے ذریعہ کافی یا شوربہ میں بھیگی ہوئی ڈبل روٹی بطور غذا دیں گے۔ ہمسایہ کی ایک دوکان میں ایسی ڈوئی بنانے کے لئے آرڈر بھی دیا جا چکا ہے لیکن میں اسے فضول خرچی سمجھتا ہوں۔ مجھے کم سے کم ہزار سال تک زندہ رہنے کی امید ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ مگرمچھ بہت دنوں تک زندہ رہتے ہیں (ذرا کسی کتاب میں دیکھ کر بتانا کہ میرے ذہن میں مگرمچھ کے بجائے کسی اور جانور کے فاسل کا خیال تو نہیں) صرف ایک خیال ذرا پریشان کر رہا ہے۔ چونکہ میں کپڑے اور جوتے پہنے ہوئے ہوں اس لئے بظاہر مگرمچھ کے لئے مجھے ہضم کرنا مشکل ہے۔ علاوہ ازیں میں زندہ ہوں اور اپنی قوت ارادی سے اپنے آپ کو ہضم نہیں ہونے دیتا کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں بھی وہی ہو جاؤں جو عام طور پر غذا ہضم ہونے کے بعد ہو جایا کرتی ہے۔ یہ تو بڑی ذلت آمیز بات ہوگی لیکن مجھے ایک چیز کا اندیشہ ہے وہ یہ کہ ممکن ہے ایک ہزار سال میں میرے کوٹ کا کپڑا (جو بدقسمتی سے روس کا بنا ہوا ہے) گل جائے اور میرے بدن پر کپڑے نہ رہیں جس کے سبب سے باوجود ملنے ڈلنے اور حرکت کرنے کے ہضم ہونا شروع ہو جاؤں۔ اگرچہ میں دن کے وقت ہرگز ایسا نہ ہونے دوں گا ——— کسی حالت میں بھی ——— لیکن رات میں سوتے وقت ممکن ہے میرا بھی وہی ذلت انگیز انجام ہو جو عام طور سے آلو یا روٹی کے ٹکڑوں کا ہوا کرتا ہے۔ یہ خیال مجھ پر دیوانگی سی طاری کر دیتا ہے

کاش اسی خیال سے قانون جینگی میں ترمیم کر دی جاتی اور انگریزی کپڑے کو درآمد کرنے کی ہمت افزائی ہوتی جو زیادہ پائیدار ہوتا ہے اور کسی شخص کے مگرمچھ کے منہ میں گر جانے پر قدرت کا زیادہ عرصہ تک مقابلہ کر سکتا ہے ۔ میں جس قدر جلد ہو سکے گا اس خیال کو کسی مدیر یا سینٹ پیٹر برگ کے اخباری سیاسی مبصروں کو سناؤں گا ۔ مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کو صرف یہی ایک خیال مجھ سے نہیں ملے گا بلکہ میری نظریں دیکھ رہی ہیں کہ ہر روز صبح کو ان کے گروہ بیاضیں اور پنسلیں لئے ہوئے میرے چاروں طرف جمع ہو کر گذشتہ دن کی خبروں پر میرے خیالات حاصل کر رہے ہوں گے مختصر یہ کہ مستقبل نہایت رنگین اور درخشاں نظر آرہا ہے ۔"

" سرسام ہے سرسام " میں نے دل میں کہا ۔

" لیکن آزادی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے " میں نے سوال کیا یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے " دیکھو نا ۔ اس وقت تم جیسا شخص کال کوٹھری میں بند ہے درآں حالیکہ دوسرے لوگ آزادی کا لطف اٹھا رہے ہیں ۔"

" احمق ہو " اس نے کہا " صرف وحشیوں کو آزادی کی فکر ہوتی ہے ۔ عقلمند صرف امن کے طلبگار ہوتے ہیں اور امن موجود نہیں ـــــــ "

" آئی دن میٹ فالیشن ! رحم ! خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو "

میں نے کہا۔

"چپ رہو اور پوری بات سنو" اس نے چیخ کر کہا "میری روح نے کبھی اتنی بلند پروازی نہیں کی تھی جتنی اس وقت۔ یہاں مجھے صرف ایک چیز کا خوف ہے یعنی بڑے رسالوں کی ادبی تنقید اور ہمارے مزاحیہ رسالوں کا تمسخر۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چھلوسے، احمق، حاسد اور عام نہلسٹ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے لیکن اخبارات کی رائے کے متعلق کل صبح آکر مجھے تفصیلات سے مطلع کرنا۔ آج کے لئے یہی کافی ہے۔ تمھیں نیند آرہی ہے۔ گھر جاؤ اور میں نے تنقید کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا خیال مت کرو۔ مجھے تنقید کا کوئی خوف نہیں کیونکہ وہ خود اس وقت انتہائی نازک حالت میں ہے بس عقلمند اور نیک ہونا انسان کے لئے کافی ہے۔ تم یقیناً ایک روز بلند مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے۔ سقراط نہ بن سکے تو ویو جانس تو ضرور ہو جاؤ گے اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیک وقت دونوں ہو جاؤ۔ نوع انسان کے لئے مستقبل میں میرا یہی شغل ہو گا۔"

"تمھارا دوست بڑا عقلمند آدمی ہے" جرمن نے رخصت کرتے وقت مجھ سے مخاطب ہو کر چپکے سے کہا کیونکہ اس تمام عرصہ میں وہ نہایت توجہ سے ہماری گفتگو سنتا رہا تھا۔

"اچھا" میں نے کہا "یہ تو بتاؤ کہ اگر کوئی خریدنا چاہے تو اپنا مگرمچھ کتنے میں فروخت کرو گے؟"

آئی و ن میٹ فائش نے یہ سوال سنا تو بڑی توجہ سے جواب کا انتظار کرنے لگا جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ جرمن اپنا مگرمچھ کم قیمت پر فروخت کر دے۔ پھر بھی سوال پر اس نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے عجیب سی آواز نکالی۔

جرمن میری بات بھی نہ سننا چاہتا تھا چنانچہ اسے بہت غصہ آگیا۔

"میرا مگرمچھ کوئی نہیں خرید سکتا" اس نے غصہ سے سرخ ہوکر کہا "میں مگرمچھ نہیں بیچوں گا۔ میں دس لاکھ ڈالر میں بھی نہیں بیچوں گا۔ آج میں نے عوام سے ایک سو تیس ڈالر وصول کئے ہیں اور کل دس ہزار ڈالر لونگا اور اس کے بعد ہر روز ایک لاکھ ڈالر لونگا۔ میں بیچوں گا ہی نہیں۔"

آئی و ن میٹ فایئش نے مسرت کا اظہار کیا۔

صبر اور سکون سے کام لے کر غصہ ضبط کرتے ہوئے ——————

کیونکہ میں دوستی کا حق ادا کر رہا تھا —————— میں نے پاگل جرمن سے کہا کہ اس کا حساب قطعاً درست نہیں کیونکہ دس ہزار ڈالر روزانہ لینے سے بہت جلد پیٹرزبرگ کی آبادی ختم ہو جائے گی اور پھر اسے مزید رقم نہ ملے گی۔ اس کے علاوہ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مگرمچھ کا پیٹ پھٹ جائے یا آئی و ن میٹ فایئش بیمار ہوکر مر جائے وغیرہ وغیرہ۔"

جرمن نے سوچنا شروع کیا۔

"میں اس کے لئے ڈاکٹر کے پاس سے دوا لاؤں گا" ذرا دیر تک سوچنے کے بعد اس نے کہا " اور تمہارا دوست مرے گا نہیں "
" دوا سے اچھے ہو جانے میں تو کوئی شبہ نہیں " میں نے کہا " لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تم پر مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ آئی ون کی بیوی اپنے قانونی شوہر کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ تم دولت مند ہونا چاہتے ہو لیکن کیا ایلی اونا آئی وانوفنا کو پنشن بھی دو گے؟"
"کیوں؟ پنشن میں کیوں دینے لگا" جرمن نے فیصلہ کن انداز میں زور سے کہا۔
"کیوں۔ ہم کیوں پنشن دینگے" بڈھی نے گرج کر صدا لگائی۔
" اچھا تو پھر کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ابھی فوراً ایک مناسب و موزوں رقم سے لو بجائے اس کے کہ بے اطمینانی کے گڑھے میں پڑے رہو؟ تم سے یہ کہدینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں یہ بات مذاق سے نہیں کہہ رہا ہوں۔"
جرمن یہ سن کر اپنی ماں کے ساتھ ایک گوشہ میں اس طرف اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے چلا گیا جہاں سب سے بڑا اور بدصورت بندر ایک کٹھرے میں بند تھا۔
" دیکھو!" آئی ون میٹ فائنش نے کہا۔
اس وقت میرا خون کھول رہا تھا اور اول تو میرا جی یہ چاہ رہا تھا کہ

ڈنڈا لے کر جرمن کی خوب مرمت کروں، دوسرے اس کی ماں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں اور تیسرے آئی وَن کی خود فہمی پر ایسی مرمت کروں کہ عمر بھر بھلا نہ سکے لیکن حریص جرمن کی باتوں کے مقابلہ میں ان تمام باتوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

ماں سے گفتگو کرنے کے بعد مگرمچھ کے بدلے میں اس نے مطالبہ کیا کہ مقامی قرضے کی قرعہ اندازی میں پچاس ہزار روبل کے مالیتی ٹکٹ دے جائیں۔ گوروخودایا اسٹریٹ پر پتھر کا مکان اور اس کے ساتھ والا دواخانہ دیا جائے نیز اسے کرنل کا عہدہ بھی دیا جائے۔

"دیکھا" آئی وَن میٹ تالیشش نے فاتحانہ انداز میں چیخ کر کہا "میں نے نہ کہا تھا۔ آخری مہمل مطالبہ یعنی کرنل بنائے جانے کے سوا وہ بالکل حق بجانب ہے کیونکہ وہ اپنے نمائشی جانور کی موجودہ قیمت سے واقف ہے۔ معاشی اصول سب سے پہلے!"

"افوہ!" میں نے غصہ سے بیتاب ہو کر جرمن سے مخاطب ہو کر کہا "تم کرنل کیوں بننا چاہتے ہو؟ تم نے کونسا کارنمایاں انجام دیا ہے؟ کون سی خدمت کی ہے؟ کونسی شہرت حاصل کی ہے جو ایسی بات کہہ رہے ہو! دیوانے تو نہیں ہو گئے؟"

"دیوانہ؟" جرمن نے غصہ سے چیخ کر کہا "نہیں، میں بہت ہوشیار آدمی ہوں تمہارے سر میں البتہ بھیجا نہیں ہے۔ میں کرنل کے مرتبہ کا مستحق ہوں کیونکہ میں نے ایسا مگرمچھ دکھایا ہے جس میں

ایک جیتا جاگتا آدمی مقیم ہے۔ روسیوں نے اب تک ایک بھی مگر مچھ نہیں دکھایا اور اس میں کوئی زندہ شخص نہیں بیٹھا۔ میں غیر معمولی طور پر عقلمند ہوں اور میں کرنل ضرور بنوں گا۔

"خدا حافظ! آئی وان میٹ نوالیش!" میں نے غصہ سے کانپتے ہوئے چلتے چلتے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ ایک لمحہ بعد مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہے گا دونوں احمقوں کی بڑی بڑی امیدیں ناقابل برداشت تھیں۔ کچھ دیر بعد خنک ہوا نے ذرا سکون بخشا اور میرے غصہ میں قدرے کمی ہوئی تو میں اپنی برفانی کشتی چلاتا ہوا گھر پہنچا کپڑے بدلے اور بستر پر گر پڑا۔

صبح کو چائے پیتے ہوئے میں نے گذشتہ دن کے واقعات پر غور کرتے کرتے دفتر جاتے وقت سوچا کہ ذرا ایلی اونا آئی وانوفنا کے گھر جا کر اس سے مل لوں کیونکہ اس خاندان سے تعلقات کے باعث میں اسے اپنا فرض سمجھتا تھا۔

خوابگاہ کے کمرے سے ملے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں جسے وہ چھوٹا دیوانخانہ کہتی تھی (اگرچہ بڑا دیوان خانہ بھی چھوٹا سا ہی تھا) ایک خوب صورت چھوٹے سے صوفے پر ایک چھوٹی سی تپائی کے پاس بیٹھی ہوئی ایک ننھی سی پیالی میں چائے پی رہی تھی۔ وہ اس وقت نہایت

دلفریب معلوم ہو رہی تھی لیکن میں نے خیال کیا کہ وہ غالباً کسی گہرے سوچ میں ہے۔

"اوہ! تم ہو!" کھوئی ہوئی سی نہایت دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا

"بیٹھ جاؤ نکمے آدمی۔ چائے پیو اور بتاؤ کل تم نے کیا کیا کیا۔ رقص میں گئے تھے کیا؟"

"کیا آپ گئی تھیں؟ میں تو کبھی نہیں جاتا۔ . . . . . اور پھر یہ کہ شام تو میری قیدی کے ساتھ گذری"

"کون قیدی؟ کیسا قیدی؟ اوہ۔ ہاں، بیچارہ! کیسے ہیں؟ میرا خیال ہے نہایت ابتر حالت میں ——— میں سمجھتی ہوں کہ اب میں خلع حاصل کر سکتی ہوں"

"خلع" میں نے بے چینی سے کہا اور قریب تھا کہ میرے ہاتھ سے پیالی چھوٹ پڑے میں نے دل میں سوچا کہ "یہ سب اسی گل گچھے کے سبب سے ہے"

محکمہ تعمیرات میں ایک شخص تھا کالی کالی مونچھوں والا جس نے آج کل ایلی اوتا کے گھر پر آمدورفت زیادہ کر دی تھی اور جو مسخرے پن کی باتوں سے ایلی اوتا کا دل بہلایا کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس شخص سے نفرت تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ شخص گھر یا رقص گاہ میں ایلی اوتا سے ملکہ ہر قسم کے احمقانہ خیالات

اس کے سر میں بھر رہا تھا۔

"بات یہ ہے، تم جانتے ہو" ایلی اونا نے تیزی سے کہا اس طرح گویا کہ جو کچھ کہہ رہی ہے اسے اس نے پہلے ہی سے زبانی یاد کر لیا تھا "بات یہ ہے کہ اب وہ غالباً عمر بھر مگرمچھ کے پیٹ میں رہے گا اور کبھی واپس نہ آئے گا۔ پھر میرے یہاں رہنے سے فائدہ؟ شوہر کو گھر میں رہنا چاہئے نہ کہ مگرمچھ کے پیٹ میں؟"

"لیکن یہ اتفاقی واقعہ ہے" میں نے بےچینی سے کہا

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی: میں کچھ نہیں سنونگی" ایلی اونا نے یکایک تیوری پر بل ڈال کر کہا "تم ہمیشہ میری مخالفت کرتے ہو سکتے کہیں کے۔ تم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم کبھی کسی کو اچھا مشورہ نہ دوگے۔ اجنبیوں تک نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ میں اب خلع لے سکتی ہوں کیونکہ آئی وان میٹ فایش کو اب تنخواہ نہیں ملے گی۔"

میں نے اس کی یہ باتیں سنکر وہ تمام منصوبے بیان کئے جو کل آئی وان میٹ فایش نے ظاہر کئے تھے۔ گھر میں شام کے تفریحی پروگرام پر اس نے مسرت کا اظہار کیا۔

"مجھے بہت سے لباسوں کی ضرورت ہو گی اور بس" اس نے کہا۔ اس لئے آئی وان میٹ فایش کو بہت سا روپیہ بھیجنے کا انتظام کرنا چاہئے اور وہ بھی جس قدر جلد ممکن ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

صرف جیساکہ تمھیں معلوم ہے' حوض میں اسے یہاں تک لایا کیونکر جائیگا؟ مہمل سا خیال معلوم ہوتا ہے" اس نے سوچتے ہوئے کہا
"مہمل ہے۔ میں کبھی پسند نہ کروں گی کہ میرا شوہر حوض میں لایا اور لے جایا جائے مجھے ملاقاتیوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ . . . . . . نہیں۔ نہیں"
"کیا تموٹی سیمیونتش کل شام یہاں آئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔
"ہاں۔ مجھے تسلی دینے آئے تھے۔ ہم لوگ تاش کھیلتے رہے۔ جب وہ ہارتے تو مجھے مٹھائی دیتے اور جب میں ہارتی تو انھیں فقط اپنے ہاتھوں کا بوسہ لینے کی اجازت دیتی۔ بڑا شریر ہے۔ میرے ساتھ رقص میں بھی جانے کو تقریباً تیار تھے۔ سچ مچ"
"اس پر جادو سا ہو گیا ہے" میں نے کہا "اور تم کس پر جادو نہیں چلا سکتیں۔ جادوگرنی کہیں کی!"
"اچھا تو اب آپنے تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیئے۔ آپ کے جانے سے پہلے ایک چٹکی لینا چاہتی ہوں۔ میں نے بڑی زور سے چٹکی لینا سیکھا ہے۔ یہ تو اکیا خیال ہے اور ہاں یہ تو بتاؤ کہ کیا کل شام کو آئی دن میٹ فائیش نے کتنی مرتبہ میرا ذکر کیا تھا"!
"ن۔ ن۔ نہیں۔ بہت مرتبہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ آج کل قسمت اور انجام کے بارے میں بہت زیادہ غور کر رہے ہیں اور

ان کی خواہش ہے کہ ــــــــ"

"خیر خیر۔ سوچنے دو!! انھیں سوچنے دو! جملہ تمام کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے خشک اور بے مزہ سی کوئی بات ہوگی۔ میں کسی وقت جاکر ملاقات کروں گی۔ ہاں میں کل صبح جاؤں گی۔ آج نہیں۔ میرے سر میں درد ہے اور وہاں اتنے بہت سے آدمی ہوں گے۔ . . . . وہ لوگ کہیں گے" یہ دیکھو یہ اس کی بیوی ہے . . . . . اور میں پریشان ہو جاؤں گی . . . خدا حافظ . . . . . شام کو تم وہاں جاؤ گے نا!"

"ہاں ہاں۔ جاؤں گا۔ مجھ سے کہا تھا کہ اخبارات لیتے آنا"

"اچھا خیال ہے۔ جاؤ اور ان کے سامنے زور زور سے اخبار پڑھو البتہ آج میرے پاس نہ آنا۔ میرا مزاج ٹھیک نہیں۔ اچھا خدا حافظ بابو!"

"آج شام وہ کل مچھا آنے والا ہے نا" میں نے دل میں کہا دفتر پہنچ کر میں نے کسی پر یہ بات نہیں ظاہر کی کہ میں کن افکار میں گرفتار ہوں اور کون سی ذمہ داریاں مجھ پر عاید ہیں۔ ذرا دیر بعد دیکھتا کیا ہوں کہ صبح کے اخبارات خلاف معمول بڑی تیزی سے ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں جا رہے ہیں اور میرے ساتھی نہایت سنجیدگی سے ان کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ پہلا اخبار جو میرے ہاتھ آیا "نسلوک" تھا۔ اس اخبار کی کوئی خاص پالیسی نہیں

لیکن مجموعی طور پر نہایت ہمدرد انسان ہے جس کے سبب سے ہماری جماعت میں اسے ناپسند کیا جاتا تھا۔ اگرچہ لوگ سب سے زیادہ اسی کو پڑھتے تھے۔ مجھے مندرجہ ذیل خبر پڑھ کر بڑا تعجب ہوا:۔

"کل ہمارے وسیع شہر میں جہاں نہایت شاندار عمارتیں ہیں غیر معمولی افواہیں اڑ رہی تھیں۔ ایک شخص "ن" نامی جو اعلیٰ ترین طبقہ کا ایک بیٹو ہے ہمارے اعلیٰ ترین ہوٹلوں کے کھانوں سے بیزار ہو کر اس عمارت میں داخل ہوا جہاں ایک بڑا مگرمچھ نمائش کیلئے لایا گیا ہے یہاں پہنچ کر اس نے مطالبہ کیا کہ اس مگرمچھ کو کھانے کے لئے تیار کیا جائے۔ نگران سے معاملہ کرنے کے بعد اس نے کھانا شروع کیا (نگران کو نہیں جو ایک جرمن اور نہایت حقیقت پسند آدمی ہے۔ بلکہ مگرمچھ کو)۔ اس نے چاقو لیا اور جلدی جلدی قتلے کر کے کھٹا کھٹ نگلنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ سارے کا سارا مگرمچھ اس کے پیٹ میں غائب ہو گیا جس کے بعد اس نے یہ سمجھ کر کہ وہ بھی مگرمچھ کی طرح مزے کا ہوگا، ایک نیولے پر بھی ہاتھ صاف کیا جو مگرمچھ کے ساتھ رہتا تھا۔ ہمیں اس نئی غذا پر کوئی اعتراض نہیں جس سے بیرونی باورچی عرصہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہم نے پہلے ہی اس کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی۔ مصر میں انگریزی امراء اور ان کی پارٹیاں مگرمچھوں کے شکار کو جایا کرتی ہیں اور اس عظیم الجثہ جانور کی پشت کے تکے بنا کر پیاز اور آلو کے ساتھ کھاتی ہیں لاسے کے فرانسیسی

پیرو بھوبل میں بھنے ہوئے پنجے پسند کرتے ہیں اور یہ محض انگریزوں کی مخالفت میں کیونکہ وہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں توقع ہے کہ دونوں قسم کے طعاموں کو پسند کیا جائے گا۔ ہم اس نئی صنعت کو خوش آمدید کہتے ہیں جس کی ہمارے ملک میں اس قدر کمی ہے۔ سینٹ پیٹربرگ کے اسس پیٹو کے پیٹ میں اولین مگرمچھ کے غائب ہو جانے کے بعد توقع کی جاتی ہے کہ ایک سال کے اندر سیکڑوں کی تعداد میں مگرمچھ درآمد ہونے لگیں گے۔ مگرمچھوں کو روسی آب و ہوا کے موافق آجانے کی توقع ہے۔ اگر دریائے نیوا کا پانی ان دلچسپ غیرملکیوں کے لئے نہایت سرد ہے تو پایہ تخت میں بہت سے چشمے اور خزانہ ہائے آب موجود ہیں، نیز باہر بھی ان کے لئے جھیلیں موجود ہیں۔ اس اعتبار سے ناممکن نہیں کہ مختلف مقامات پر مگرمچھوں کی پرورش نہ کی جا سکے! ہمارے شکم نوازوں کو نفیس اور عمدہ غذا ملنے کے علاوہ ان خواتین کو بھی دلچسپ تفریحی مشغلہ مل جائے گا جو ان حوضوں اور خزانہ ہائے آب سے قریب سیر کرتی ہوئی گذریں گی۔ علاوہ ازیں بچے ان کے ذریعہ طبیعات کا علم حاصل کریں گے۔ مگرمچھ کی کھال سے صندوقچی، سگرٹ کیس، نوٹ بکیں وغیرہ بنائی جا سکیں گی اور غالباً ہزاروں نوٹ بھی ——— (چہ بیلے نوٹوں کی صورت میں جو ہمارے تجارت پیشہ طبقہ کو نہایت پسند ہیں)۔ مگرمچھوں کی کھالوں سے پیدا ہوں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ آئندہ ہم اس موضوع پر مزید خیالات ظاہر کر سکیں گے"

اگرچہ مجھے پہلے ہی سے اس قسم کی باتوں کے ہونے کا اندیشہ تھا لیکن مضمون میں جو احمقانہ باتیں درج تھیں انھیں دیکھکر پریشان ہو گیا۔ میرے سامنے جو اہل کار بیٹھا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا تو اسے بھی اپنی ہی جانب دیکھتا ہوا پایا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار "وولوس" تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے اخبار بدلنا چاہتا ہے چنانچہ اس نے "لسٹوک" میرے ہاتھ سے لے کر "وولوس" مجھے دے دیا جس میں اس نے ایک خاص مضمون پر نشان کر دیا تھا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔

"یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ ہم ترقی پسند اور انسانیت دوست لوگ ہیں اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں لیکن ہماری تمام کوششوں اور اخباری قوت کے باوجود ابھی ہم پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے چنانچہ اس کا ثبوت اس شرمناک واقعہ سے ملتا ہے جو کل پچھلے میں پیش آیا اور جس کے متعلق ہم نے پہلے ہی سے پیشین گوئی کر دی تھی۔ قصہ یہ ہے کہ ایک غیر ملکی شخص سینٹ پیٹر برگ میں اپنے ساتھ ایک مگرمچھ لے کر آیا جسے اس نے عوام میں نمائش کے لئے پیش کیا۔ تجارت اور صرفت کی اس جدید شاخ کو بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا گیا جس کی ہمارے عظیم الشان ملک میں نہایت کمی ہے۔ کل شام کو ساڑھے چار بجے ایک عظیم الجثہ شخص اس غیر ملکی باشندے کی دکان پر نشہ کی حالت میں پہنچا۔ فیس داخلہ ادا کی اور یکایک بلا کچھ کہے سنے مگرمچھ کے منہ

میں گھس گیا جس نے اپنی جان بچانے کے لئے تاکہ دم گھٹ کر مر نہ جائے فوراً ہی اسے نگل لیا۔ یہ نامعلوم شخص سیدھا مگرمچھ کے پیٹ میں پہنچ کر فوراً ہی سو گیا۔ مگرمچھ کے غیر ملکی مالک کی مسلسل آوازوں، خود اس شخص کی بیوی کی چیخوں اور پولیس میں رپورٹ کی دھمکیوں میں سے کسی نے بھی اس پر ذرا سا بھی اثر نہیں کیا۔ مگرمچھ کے پیٹ سے کھل کھلا کر ہنسنے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ بے چارہ مگرمچھ اتنے بڑے جسم کو نگلنے پر مجبور ہو کر آنسو بہاتا رہتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بن بلایا مہمان کسی تاتاری وحشی سے بھی بدتر ہوتا ہے لیکن اس مثل کو نظر انداز کر کے یہ شخص باہر نکلنے سے انکار کرتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے وحشیانہ حادثہ کی تاویل کیونکر کی جا سکتی ہے۔ اس سے ہماری پس ماندگی کا اظہار ہوتا ہے اور ہم غیر ملکیوں کی نظروں میں ذلیل اور حقیر ہوتے ہیں۔ روسیوں کے لاابالی مزاج کے باعث ایک دلچسپ نتیجہ نکلا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس بن بلائے مہمان کی خواہش کیا تھی؟ کیا وہ ایک آرام دہ اور گرم قیام گاہ چاہتا تھا؟ اگر یہ درست ہے تو شہر میں بہت سے اچھے اچھے مکان ہیں جہاں سستے اور آرام دہ کمرے رہنے کو مل سکتے ہیں۔ دریائے نیوا کا پانی سامنے بہتا ہے، زینوں پر گیس کی روشنی ہے اور اکثر اوقات مالک مکان کی جانب سے حمال بھی موجود رہتا ہے ہم اپنے ناظرین کی توجہ اس پالتو جانور کے ساتھ ایسی وحشیانہ بربریت کی

طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں ۔ غیر ملکی مگرمچھ اتنے بڑے جثہ کو فوراً ہضم نہیں کرسکتا اور اس لئے اب بری طرح پھول کر انتہائی درد و کرب کی حالت میں پڑا ہوا موت کا انتظار کر رہا ہے ۔ یورپ میں پالتو جانوروں کے ساتھ خلاف انسانیت برتاؤ قانون کی نظر میں جرم ہے لیکن باوجود اس کے کہ ہمارے ملک میں بھی یورپ کی روشنی ہے ۔ یورپین سڑکیں اور یورپین قسم کے مکانات ہیں پھر بھی ہم نے ابھی تک اپنے قدیم تعصبات کو ترک نہیں کیا ہے :-

"گھر نیا ہوسکتا ہے لیکن میلانات قدیم ہوتے ہیں"

نہیں گھر بھی پرانے ہی ہیں ———— کم از کم زینے تو ضرور پرانے ہیں ۔ ہم نے ان ہی کالموں میں کئی مرتبہ کہا ہے کہ دریا کے دونوں جانب لوکیانوف تاجر کے مکان میں لکڑی کا جو زینہ ہے اس کے نچلے زینے بالکل فرسودہ و ناکارہ ہوچکے ہیں اور ان کی وجہ سے ہر وقت نوکروں اور سپاہی کی بیوہ آئی فیمیا اسکاپی دارد آکو جو زینہ پر جانے کی لکڑی لے جانے پر مجبور رہے ، جان کا خطرہ رہتا ہے ہماری آخری تنبیہہ صحیح ثابت ہوئی چنانچہ کل شام کو ساڑھے آٹھ بجے آئی فیمیا اسکاپی دار وا آزینہ سے نیچے گر پڑی اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اب بھی لوکیانوف صاحب زینوں کی مرمت کرائیں گے یا نہیں ؟ روسی ہمیشہ وقت گذر جانے کے بعد خواب خرگوش سے بیدار ہوا کرتے ہیں لیکن اس معاملہ میں غالباً متعلقہ

شخص کو دواخانے پہنچا دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم اس امر پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ صفائی والوں کو جو شہر کے محلہ وائی بورگ میں پل کے کنارے صفائی پر مامور ہیں، یہ حق نہیں کہ دیورپ کے مانند جہاں کیچڑ جمع کر کے ایک طرف ڈھیر کر دی جاتی ہے اور جہاں بوٹ صاف کئے جاتے ہیں) چلنے والوں پر کیچڑ اڑایا کریں ——— "

"مگرمطلب کیا ہے؟" میں نے بڑی جرأت سے پاس بیٹھے ہوئے اہل کار سے مخاطب ہو کر کہا "میں نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی۔"

"کیا مطلب؟"

"بات یہ ہے کہ آئی ون میٹ فالیش پر افسوس کرنے کے بجائے یہ لوگ مگرمچھ کے ساتھ اظہار ہمدردی کر رہے ہیں!"

"مگر کیوں نہ کریں؟ بیچارہ بے زبان جانور ہے ——— دودھ پلانے والا ——— ہم کو اس سے ہمدردی ہے! ہم کس اعتبار سے یورپ والوں سے کم ہیں۔ آپ جانتے ہیں یورپ میں مگرمچھوں کے ساتھ بھی نہایت نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ہَ ہَ ہَ ہَ ہا!"

میرا ہمسایہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گیا اور پھر اس نے ایک حرف بھی نہ کہا۔

میں نے "وولوس" اور "لستوک" دونوں جیب میں رکھے اور پرانے پرچے بھی تاکہ شام کو آئی ون میٹ فالیش کی دل بہلائی کا سامان

کرسکوں۔

اس کے بعد اگرچہ دفتر کا وقت ختم نہیں ہوا تھا پھر بھی میں قدرے وقت سے پہلے اٹھ کر چھٹہ جانے کے لئے روانہ ہو گیا تاکہ تفصیل سے دیکھوں وہاں کیا ہو رہا ہے اور کس قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں نہایت کثرت سے لوگ ہوں گے چنانچہ میں نے اپنا چہرہ چھپانے کے لئے کوٹ کا کالر اوپر کر لیا۔۔۔۔۔ مجھے جھجک سی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ شہرت سے ہم لوگ کس قدر نا آشنا ہیں! لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے اس حیرت انگیز واقعہ پر اپنے روکھے پھیکے اور شخصی جذبات کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔

دلیہ

قصبہ کے پھاٹک میں گاڑی داخل ہوئی۔ گاؤں کے پادری صاحب اندر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے ان کا کسان نوکر کفتان پہنے اور پاؤں گاڑی کے بموں پر لٹکائے ہوئے۔

"اسقف سے بڑا کون ہوتا ہے حضور؟" گاڑی بان نے سوال کیا۔

"اسقف سے بڑا صدر اسقف ہوتا ہے" پادری نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ یہ سب عہدے مقدس کلیسائی نظام کے تحت قائم

ہیں جس کا ابھی ذرا دیر پہلے میں تم سے ذکر کر رہا تھا۔"

"اور صوبیدار سے بھی بڑا عہدہ ہوتا ہے کیا؟"

"ہاں ہاں۔ ہوتا کیوں نہیں . . . . . . دیکھو پرمی ! سرائے میں پہنچنے پر میں مجلس اساقفہ میں شریک ہونے کو چلا جاؤں گا اور تم اپنے لئے وہیں کھانے کا انتظام کر لینا۔ تھیلے میں روٹی موجود ہے۔ اس لئے سرائے سے تمھیں خریدنے کی ضرورت نہیں۔"

"جیسی حضور کی مرضی۔ آپ تو اس طرح کہتے ہیں جیسے مجھے معلوم نہیں کہ ہمیں اپنا ہی کھانا کھانا چاہیئے میرے لئے دونوں برابر ہیں مگر یہ تو بتایئے کہ جئی کتنی خرید لوں۔ یہاں تو آج کل بڑی گرانی ہے۔

"تھوڑی سی لے لو بس حسب ضرورت۔ یہاں ہر چیز گراں ہے یہی وجہ ہے کہ شہر کے اخراجات بڑھے رہتے ہیں۔"

خدا حضور کو سلامت رکھے۔ یہاں تو اتنی گرانی ہے، اتنی گرانی ہے کہ بس!

سرائے میں پہنچکر پادری نے اپنا جبہ پہن لیا اور مجلس اساقفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں کسان باورچی خانے کی طرف پہنچا جہاں کھانا پک رہا تھا۔ چولہے پر ایک بڑی سی دیگچی چڑھی ہوئی تھی جس میں گوشت اُبل رہا تھا اور بھاپ کے بادل ڈھکنے کے کناروں سے نکلتے نظر آرہے تھے۔ ایک مرد ورسوتی قمیص پہنے تختے پر گرم گرم بھاپ نکلتی ہوئی روٹیاں جمارہا تھا اور ایک عورت سیخ پر کباب بناتے ہوئے باربار اپنی انگلیاں

چوسنے میں مشغول تھی۔

کسان چپ چاپ کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔

اس اثنار میں بہت سے مسافر اور تاجر بھی باورچی خانہ میں آگئے ان میں بہت سے دولت مند بھی تھے۔ سلیج چلانے والے گرم کوٹ پہنے ہوئے یہ لوگ پائپ پینے اور کھانے کے متعلق باتیں کرنے میں مشغول تھے۔

آخر کھانا تیار ہو گیا۔ پریمی دوسرے مسافروں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

کھانے کے دوران میں (تین گھنٹے) پریمی کو سر میں ایک عجیب قسم کی تکلیف محسوس ہوئی اور کبھی کبھی پیٹ میں ہلکا سا درد بھی ہوا۔ لیکن وہ کھانا کھاتا رہا اگرچہ اس دوران میں اسے بار بار اسقف بھی یاد آرہا تھا۔

دسترخوان سے اٹھنے پر اس نے ایک لمبی سی سانس لی خدا کا شکر ادا کیا اور ایک بینچ پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند نہ آئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پادری صاحب واپس آنے پر کیونکر اس سے مخاطب ہو کر کہیں گے۔ "دو کیوں تم نے کھانا کھا لیا تم نے۔ کتنا ہوا؟"

پریمی نے دل ہی دل میں افسوس کرنا شروع کیا کہ "کرم کلہ کے بعد ہی کیوں نہ دسترخوان سے اٹھ گیا۔"

دو گھنٹے بعد پادری واپس آیا۔ اس نے کسان کو دوسرے کمرے میں بلایا اور کہنا شروع کیا۔

"میں سمجھتا ہوں تم نے کھانا تو کھا لیا ہو گا۔"

لیکن کسان کمرے کے بیچوں بیچ خاموشی سے کھڑا ہوا فرش کی طرف تکتا رہا۔

"کھانا کھایا تم نے یا نہیں؟" پادری نے ہاتھ میں کنستار لئے ہوئے کہا۔

جی ہاں میں کھانا کھا چکا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن صرف ایک بات۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نہ کھاتا تو۔ ۔ ۔ ۔ "

"کیا مطلب ہے تمھارا"

کسان خاموش رہا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر تم نے کھایا کیا ہے۔ مجھ سے کہتے کیوں نہیں۔ تم جانتے ہو مجھے رسم ادا کرنی ہے۔ اچھا بتاؤ تو کھانے میں کیا کیا تھا۔ میرا خیال ہے تم نے کچھ پیا بھی ہوگا؟"

"ہاں ہاں میں نے کچھ پیا تو تھا"

"کیا پیا تھا؟ سیب کی شراب؟" پادری نے کہا

"جی ہاں سیب کی شراب۔ جی ہاں سیب کی شراب تھی"

"سادہ؟ نہیں۔ اس میں کچھ اور بھی تھا؟"

"جی۔ جی ہاں۔ اس میں سیب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

"اچھا اس نے اور کیا دیا تھا؟ چلو بولو جلدی بولو۔ کیا ہم دن بھر یہیں کھڑے رہیں گے۔ کہو۔ جلدی کہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس میں اور کیا تھا؟"

اس میں کچھ تھا جیلی کی طرح چپ چپا اور ریچھ لجا سا مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا"

"خیر مجھے اس سے تعلق نہیں لیج لیا تھا یا کیسا مجھے تو قیمت دینی ہے۔
اچھا مگر اس کے بعد اور کیا کھایا تھا تم نے ؟ کیا کرم کلہ کھایا تھا؟"
"ہاں۔ جی ہاں میں نے کھایا تھا ٹھیک ہے وہی کھایا تھا۔۔
پھر۔ اس کے بعد؟
حضور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے اس جیسی کبھی کوئی چیز نہیں کھائی۔
پادری نے ترش رو ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا ——
"اچھا تم نے کرم کلہ کے ساتھ اور کیا کھایا؟ میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گوشت کا سالن تھا۔ کیوں ٹھیک ہے؟"
"جی حضور ٹھیک اس میں گوشت بھی تھا لیکن اس میں چربی تھی بہت زیادہ چربی۔۔۔۔"
"خیر مجھے اس سے کیا غرض کھایا تو تم نے تھا۔ میں کیوں شبہ کروں کہ وہ چربی تھی یا کچھ اور"
لیکن اس کے بعد تم نے دلیہ بھی کھایا تھا کیا؟
"نہیں۔ کچھ اور بھی تھا۔۔۔۔۔ دلیہ تو اس کے بعد۔۔۔"
"کیا تھا۔ کوئی سالن؟۔۔۔۔ ہاں؟
"جی ہاں۔ وہی تھا وہی۔ پائے۔ کچھ گاڑھا گاڑھا سا سالن"۔
کسان نے سر کھجانا شروع کیا
"پایہ۔ میرا خیال ہے تم نے نہاری کھائی تھی"

"جی ہاں، بڑا مزیدار سالن تھا۔"

لاحول ولا قوۃ۔ کسی کو یہ جاننے کی کیا پڑی ہے کہ تم نے کتنا کھایا۔ اچھا۔ چلو۔ آگے بڑھو۔ دلیہ کھایا تھا یا۔ کیوں؟

کسان خاموش رہا۔

"میرا خیال ہے کچھ اور تو نہ کھایا ہوگا؟ مگر ہاں دلیہ کے ساتھ، کیا کچھ اور بھی تھا؟"

"جی ہاں۔ معلوم ہوتا ہے دلیہ کے ساتھ کچھ اور بھی تھا۔"

"پڈنگ؟ کیوں کیا پڈنگ تھا؟"

"جی کوئی ایسی ہی چیز تھی۔"

"اچھا پڈنگ کے ساتھ اور کیا تھا؟"

"یہ لوگ پڈنگ کے ساتھ وہ مزیدار خوبصورت سی روٹی دیتے ہیں نا؟ کیک، لیکن تھا بالکل سوکھا ہوا سا۔ بڑا سخت پتھر کی طرح . . . ."

"تو دلیہ کے ساتھ تم نے اور کیا کھایا؟"

"نہیں دلیہ تو اس کے بعد دیا تھا . . . ."

"کس کے بعد؟"

"ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا۔ کچھ تھا . . . خدا جانے کیا تھا"

"لیکن کیسا تھا۔ کچھ کہو تو؟"

کسان نے ہاتھوں سے بتانا شروع کیا۔

"کچھ ——— کچھ تھا گوشت جیسا پلپلا . . . . . . ہاں پلپلا

اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"لع ــــــ نت ہے کمبخت ، گدھا کہیں کا۔ اور تو اسے بھی نگل گیا۔"

"جی ــــــ لیکن جلا ہوا تھا ، ہاں بالکل۔ بالکل جلا ہوا۔"

"اچھا۔ اچھا۔ بس یا اور بھی کچھ؟"

خاموشی۔

"ہاں تو پھر دلیہ کی باری کب آئی؟"

"اس کے بعد دلیہ۔"

کس کے بعد؟

پھر خاموشی۔

"بول بھئی بول۔ منہ میں گھنگھنیاں کیوں بھرے ہوئے ہے؟"

"جی اس کے بعد مرغ یا اسی کے مانند کوئی چیز تھی ــــــ مجھے اچھی طرح یاد نہیں دراصل کیا چیز تھی ــــــ شاید کباب پہلے آئے تھے۔"

"کچھ اور بھی؟"

"شہد تھا۔ لیکن الگ نہیں شہد کے چھتے میں تھا۔"

"اُفوہ! کتنی بڑی رقم ادا کرنی ہوگی؟ اچھا۔ اب بھی کچھ باقی ہے؟ نہیں ابھی دلیہ باقی ہے نا؟"

"نہیں۔ نہیں۔ دلیہ تو اس کے بعد آیا"

پادری نے گنتارا پھینک دیا اور جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کمرے میں

ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیزی سے ٹہلنا شروع کیا کسان ہٹ کر ایک کونے میں کھڑا ہوگیا تاکہ پادری صاحب کے راستہ میں حائل نہ ہو۔ اتنے میں سرائے دار کمرے میں داخل ہوا۔

"سرائے دار صاحب" پادری نے کہا "میرے ملازم کو کون کون سا کھانا کھلایا ہے؟"

"جو کچھ ہمارے پاس موجود تھا۔ کیوں ہے نا؟"

"ہاں —— میرا خیال ہے اس نے ہر چیز کھائی تھی"۔

"تو اس کی قیمت ایک چاندی کا روبل ہوتی"!

"کچھ کمی ہوسکتی ہے اس میں؟"

"نہیں بابا نہیں۔ ہم جھگڑا نہیں کرتے ہماری قیمتیں مقرر ہیں —— اور ہم صرف جتنی کی تجارت میں نفع کماتے ہیں۔ رہا کھانا تو اس کی قیمت صرف وہی لیتے ہیں جو ہمارا خرچ ہوتا ہے"!

پادری نے مجبوراً جیب سے چاندی کا ایک روبل نکالا اور سرائے دار کو نذر کیا۔ اس اثنا میں پریمی کونے میں بے اطمینانی سے منہ بنائے کھڑا رہا۔

اب وہ دونوں شہر کے باہر پہنچ کر میدان میں چل رہے تھے لیکن پادری خاموش تھا۔ پریمی کو فکر تھی کہ آقا کہیں اب بھی اس سے ناراض تو نہیں اس لئے اس نے ہمت کرکے سوال کیا

"کیا اسقف اعظم سے بھی کوئی بڑا ہوتا ہے حضور؟"

پادری نے جواب دیئے بغیر منہ پھیر لیا۔

خرگوشیت

ایک روز ایک خرگوش سے بھیڑیا ناراض ہو گیا۔ قصہ یوں ہے کہ خرگوش بھاگتا ہوا بھیڑیئے کے بھٹ کے قریب سے جا رہا تھا۔ اتفاقاً بھیڑیئے کی نظر پڑ گئی اور اُس نے آواز دی ٹھہرنا، پیارے گوشی ذرا ٹھہرنا تو، لیکن خرگوش ٹھہرنے کے بجائے اسی طرح بلکہ اور بھی تیزی سے بھاگتا رہا۔ بھیڑیا حکم دے اور خرگوش نہ مانے! بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا تھا! اس میں بھیڑیئے کی ذلت تھی نا! اس لئے دو چھلانگیں اور خرگوش

بھیڑیئے کے پنجوں میں تھا۔

بھیڑیئے نے کہا سُن بے خرگوش! میں نے تجھے آواز دی اور تو نہیں ٹھہرا۔ اب میرا یہ فیصلہ ہے کہ تیرے جسم کے ٹکڑے کر کے تجھے موت کی سزا دی جائے۔ لیکن چونکہ آج میں کھا پی کر فارغ ہو چکا ہوں، میرے بال، بچے آسودہ ہیں اور ہمارے پاس پانچ دن کے لئے اذوقہ بھی موجود ہے اس لئے سامنے والی جھاڑی کے نیچے بیٹھ اور اپنی باری کا انتظار کر۔ شاید اس وقت —— ہہ۔ ہہ۔ ہہ۔ ہہ ہا۔ —— شاید اس وقت تک میں تجھے معاف کر دوں۔"

خرگوش جلدی سے اٹھا اور جھاڑی کے نیچے چپ چاپ جا کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے دل میں کوئی خیال تھا تو بس یہی کہ ابھی موت کے آنے میں کتنے گھنٹے باقی ہیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دو چار مرتبہ کنکھیوں سے بھیڑیئے کے بھٹ کی طرف دیکھا۔ ہر مرتبہ بھیڑیئے کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں اور یہی نہیں بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ خطرناک نقشہ ہوتا۔ بھیڑیا، اس کی مادہ اور بچے بھٹ سے نکلتے ادھر اُدھر گھومتے، اس کے ارد گرد چکر لگاتے اور اس کی طرف گھورتے تھے۔ اس وقت بھیڑیا اپنی زبان میں خرگوش کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی مادہ سے کچھ کہتا اور پھر دونوں ہہ۔ ہہ۔ ہہ۔ ہہ ہا کہہ کر قہقہہ لگاتے۔ بھیڑیئے کے بچے بھی گھومتے گھامتے اس کے پاس آتے، اِدھر اُدھر دوڑتے، اپنے سر کو اس کے بدن سے رگڑتے اور دانت

کلبلاتے ـــــ بیچارے خرگوش کا دل دھڑکتے دھڑکتے منہ میں آجاتا۔

زندگی کی قدر اسے کسی وقت بھی ایسی نہیں ہوئی تھی جتنی اس وقت محسوس ہو رہی تھی۔ بیچارے کا تعلق ایک شریف گھرانے سے تھا۔ آج ہی کل میں ایک شریف بیوہ کی لڑکی سے شادی ہونے والی تھی، اور جس وقت اسے بھیڑیئے نے پکڑا ہے وہ اپنی منسوبہ کے پاس دوڑا ہوا جا رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں کہا، میری پیاری منسوبہ اس وقت سوچ رہی ہو گی کہ "میرے ٹیلکھے محبوب نے مجھے بھلا دیا ہے" یا شاید اس نے انتظار کر کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت دیر انتظار کر کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی اور سے محبت کرنی شروع کر دی ہو! ـــــ یا پھر شاید بیچاری ادھر اُدھر کہیں جھاڑیوں میں کھیل رہی ہو اور کسی بھیڑیئے نے اسے بھی دبوچ لیا ہو!

یہ خیال آتے ہی بیچارے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "آہ یہ انجام ہے میری تمناؤں اور آرزوؤں کا! میں، ہاں میں، جس کی آج ہی کل میں شادی ہونے والی تھی، جس نے جہیز کا سامان خرید لیا تھا اور جو اس وقت کا منتظر تھا جب شکر کی میٹھی میٹھی گرم گرم چائے بنتی اور میں اپنی نوجوان بیوی کے ساتھ بیٹھ کر پیتا!! لیکن اب ـــــ اب اس کے بجائے میرے سامنے کیا ہے! موت آنے کیلئے چند گھنٹے"!!

ایک رات بیٹھے بیٹھے اسے نیند آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ بھیڑیئے نے

اسے اپنا نمایندہ بنا کر کسی اور مقام پر بھیجدیا ہے اور اس اثنار میں خود اس کی بیوی سے ملاقات کرنے گیا ہے ———— یکایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہے کہ اُسکی منسوبہ کا بھائی سامنے کھڑا ہے۔ "تمہاری منسوبہ مررہی ہے" اس نے کہا "اسے تمہاری مصیبت کا حال معلوم ہوگیا اور بیچاری کو اتنا صدمہ ہوا کہ اسی وقت بیہوش ہوگئی اور اب اس کی زبان پر ہر وقت یہی رٹ ہے "کیا اپنے محبوب کو دیکھے بغیر اسی حال میں مرجاؤں"؟

بدنصیب خرگوش نے یہ بات سنی تو اس کا دل بیٹھنے لگا۔

افوہ! آخر اس نے کونسا ایسا گناہ کیا تھا جس کی اُسے ایسی سزا مل رہی تھی؟ اس نے اب تک ایمانداری سے زندگی بسر کی تھی۔ کبھی شورش اور بغاوت کی آگ نہیں بھڑکائی تھی۔ کبھی آتشین اسلحہ لے کر نہیں نکلا تھا اور فقط اپنے کام سے کام رکھا تھا ———— پھر بھی کیا اسے یونہی مرنا چاہیئے؟ موت۔ اف ذرا سوچو تو اس کے معنے کیا ہیں! اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اس کی موت نہ صرف اسی کی موت ہے بلکہ اس کی محبوبہ بھورے بالوں والی نوجوان محبوبہ کی موت ہے جس کی خطا صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے، دل سے محبت کرتی ہے اپنے بھینگے محبوب سے۔

کاش اس کے پر ہوتے اور وہ اڑ کر اپنی محبوبہ کے پاس پہنچ جاتا۔ اپنی محبوبہ کو گلے لگاتا اور پیار کرتا۔

"چلو بھاگ چلیں" محبوبہ کے بھائی نے کہا۔

ان الفاظ نے لمحہ بھر کے لئے بدنصیب خرگوش کو جیسے کسی دوسری دنیا میں پہنچا دیا۔ اس نے اپنا بدن سکیڑا اور کان اونچے کیے۔ قریب تھا کہ جست لگائے اور وہاں پر اس کا نشان بھی نہ رہے۔ لیکن عین اسی وقت اس کی نظر بھیڑیئے کے پیٹ پر پڑی، خرگوش کا دل بیٹھ گیا۔

"میں نہیں جا سکتا" اس نے کہا "میں نے بھیڑیئے سے اجازت نہیں لی ہے۔"

اس دوران میں بھیڑیا اس کی جانب ٹکٹکی لگائے بیٹھا باتیں سن کر چپکے چپکے مادہ سے خرگوش کی شرافت کی تعریف کر رہا تھا۔

"چلو بھاگ چلیں" محبوبہ کے بھائی نے پھر کہا۔

"نہیں۔ میں نہیں بھاگ سکتا" بدنصیب نے جواب دیا۔

"کیوں؟ یہ کیا غداری کی باتیں ہو رہی ہیں" یکایک بھیڑیئے نے چیخ کر کہا۔

خرگوش بت بن کر کھڑا ہو گیا۔ بیچارے پیغامبر کی جان کے بھی لالے پڑ گئے تھے۔ تبدیلی کو بھاگ جانے کے لئے اکسانا! ——— کیا اس کی اجازت ہے؟ بیچاری بھورے بالوں والی محبوبہ! عاشق اور معشوق کے بھائی دونوں کی جان گئی۔ بھیڑیا اور اس کی مادہ دونوں کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے!!

"حضور۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ہم تو آپس میں فقط باتیں کر رہے

تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا ایک ہمسایہ ابھی ابھی ملنے کے لئے آیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " خوف سے تھرا تھراتے ہوئے بدنصیب خرگوش نے کہا ۔

" ہاں ہاں میں خوب جانتا ہوں ۔ سچ کہو ۔ جلدی، سچ کہو ۔ تم کیا باتیں کر رہے تھے ؟ " بھیڑیئے نے ڈپٹ کر کہا ۔

" سرکار ۔ بات یہ ہے " محبوبہ کے بھائی نے کہا " میری بہن یعنی انکی منسوبہ مرنے کے قریب ہے ۔ اور اس نے دریافت کیا ہے کہ آیا یہ اسے خدا حافظ کہنے آئیں گے ؟ "

" اچھا ! مگر بات تو ٹھیک ہے ۔ ہر بیوی کو شوہر سے محبت کرنی چاہیئے " بھیڑیئے کی مادہ نے کہا " اور ان کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے بہت سے بچے پیدا ہونگے اور بھیڑیوں کو زیادہ غذا ملے گی ۔ مجھے اور بھیڑیئے کو ایک دوسرے سے محبت ہے اور ہمارے کئی بچے ہیں ۔ بعض بڑے ہو چکے صرف چار چھوٹے چھوٹے ہیں "

" میرے سرتاج ! کیا ہم خرگوش کو اس کی محبوبہ کے پاس جانے کی اجازت دیدیں ؟ "

" لیکن پرسوں ہم اسے کھانے والے ہیں نا ــــــــــ " بھیڑیئے نے کہا ۔

" سرکار ! میں واپس آجاؤں گا ۔ میں بجلی کی طرح جاؤں گا ہاں ــــــ ــــــ میں، خدا کی قسم، میں ضرور واپس آجاؤں گا " جلدی سے بدنصیب

خرگوش نے جواب دیا۔ اور بھیڑیئے کو یقین دلانے کے لئے کہ وہ جاکر واقعی واپس آسکتا ہے بجلی کی طرح اتنی تیزی سے اچھلا کہ بھیڑیا بھی بڑی حیرت اور تعجب سے دیکھ کر کہنے لگا۔

"کاش میرے سپاہی بھی ایسے پھرتیلے ہوتے!!"

بھیڑیئے کی مادہ غمگین ہوگئی اور اس نے کہا "دیکھیئے خرگوش کو دیکھئے۔ اسے اپنی مادہ سے کتنی محبت ہے"

کوئی اندیشہ تو تھا نہیں، اس لئے بھیڑیئے نے خرگوش کو پیرول پر جانے کی اجازت دیدی۔ البتہ یہ وعدہ لے لیا کہ وہ مقررہ وقت پر واپس آجائے گا اور منسوبہ کے بھائی کو بطور یرغمال اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

"اگر تم پرسوں صبح چھ بجے یہاں موجود نہ رہے تو" بھیڑیئے نے کہا "میں تمھارے بجائے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاؤں گا اور اس کے بعد جب تم آؤگے تو تمھیں بھی، لیکن شاید ——— ہہ۔ ہہ۔ ہہ۔ ہہ ہا ——— شاید تمہیں معاف کر دوں"

خرگوش تیر کی طرح چلا، فرناٹے سے فراٹے بھرتا ہوا ایسی تیزی سے کہ زمین اس کے پاؤں کے نیچے ہلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی پہاڑیاں، ندیاں دلدلیں ——— راستہ میں آتی گئیں اور گذرتی گئیں۔ اس کے دل میں بس ایک ہی خیال تھا اور وہ یہ کہ کسی طرح بھی محبوبہ کے گھر پہنچ کر اور نہا دھو کر شادی کرلے۔

"میں ضرور شادی کر دوں گا" بار بار اس کے دل میں خیال آیا۔ اس کے

ہونٹ ہلتے معلوم ہوتے اور اس کے بعد وہ دل ہی دل میں کہتا کہ "میں بھیڑیئے کے ناشتہ کے لئے یقیناً وقت پر پہنچ جاؤں گا . . . . ."
پرندے بھی اس کی رفتار دیکھ کر حیران تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا "ٹھیک ہے ماسکو گزٹ کا بیان ہے کہ خرگوشوں کے بدن میں روح نہیں ہوتی بلکہ صرف ایک قسم کے بخارات ہوتے ہیں جو ہوا میں اُڑ جاتے ہیں۔"

آخر کار خرگوش منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ قلم اور زبان اس مسرت کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں جو اس وقت عاشق و معشوق کو ایک دوسرے سے مل کر حاصل ہوئی۔ ننھی بھورے بالوں والی دوشیزہ خرگوشنی اپنی بیماری بھول گئی۔ جلدی سے اپنے پچھلے دونوں پاؤں پر کھڑی ہوگئی سر پر ایک نقارہ رکھا اور اپنے اگلے دونوں پاؤں سے "جنگی ترانہ" بجانا شروع کر دیا۔ وہ عرصہ سے اسے بجانے کی مشق کر رہی تھی اور اچانک اپنے ہونے والے شوہر کو سنا کر حیران کرنا چاہتی تھی۔ بیوہ خرگوشنی خوشی سے پاگل سی ہوگئی۔ اس کو اگر کوئی خیال تھا تو بس یہی کہ اس کے ہونے والے داماد کے بیٹھنے کے لئے نہ تو کوئی موزوں جگہ تھی اور نہ کوئی عمدہ کھانا۔ ذرا دیر میں خالائیں، ممانیاں، چچیاں، پھوپھیاں اور ہمسائے چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر دولھا کی صورت دیکھنے اور خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے آنے لگے۔

لیکن اس تمام شادی و مسرت میں دولھا کے دل پر غم کے بادل چھائے

ہوئے تھے۔ چنانچہ ابھی اپنی منسوبہ سے اچھی طرح گلے بھی نہ مل سکا تھا کہ چلّا اٹھا ——— "مجھے تیار ہو کر فوراً ہی شادی کر لینی ہے"

"اتنی جلدی کاہے کی بیٹا؟" منسوبہ کی ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے واپس جانا ہے۔ بھیڑیئے نے مجھے صرف ایک روز کی رخصت دی ہے۔"

اس کے بعد اس نے سارا واقعہ سنایا اور اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ اس کا واپس جانا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن وہ ٹھہر نہ سکتا تھا۔ اُس نے قول دیا تھا اور خرگوش کا قول ہی اس کا قانون ہے۔

پھپھیوں، خالاؤں، ماموؤں اور اُن کے لڑکوں اور لڑکیوں نے ایک زبان ہو کر کہا "تم سچ کہتے ہو۔ قول مرداں جان دارد۔ ہماری قوم کے کسی فرد نے آج تک وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔"

خرگوش کی زندگی افسانے سے زیادہ رواں دواں ہوتی ہے۔ صبح کو سب نے اسے مبارکبادیں دیں اور شام کو وہ اپنی محبوبہ سے جدا ہو کر بھیڑیئے کے بھٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

"بھیڑیا مجھے یقیناً کھا جائے گا" اس نے کہا اس لئے تم ہمیشہ مجھے یاد رکھنا اور اگر بچے پیدا ہوں تو انھیں اچھی تعلیم دینا اور سب سے بہتر تو یہ ہو گا کہ انھیں کسی سرکس میں کام سیکھنے پر لگا دو۔ انھیں نہ صرف نقارہ

بجانے کی تعلیم دینی چاہیئے بلکہ ہوائی بندوق میں مٹر کے دانے بھر کر بندوق چلانا بھی سکھا دینا چاہیئے ۔"

اس کے بعد انسے بھیڑیئے کا خیال آیا اور کسی خیال میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اس نے کہا ——— ممکن ہے ——— ہہ ہہ ——— ممکن ہے بھیڑیا مجھے معاف کر دے ۔ یہ آخری موقع تھا جب اس کے عزیزوں اور ہمسایوں نے اسے دیکھا ۔

اس اثناء میں جب خرگوش خوشیاں مناتا ہوا شادی میں مصروف تھا اس علاقہ میں جو اس کی سسرال اور بھیڑیئے کے غار کے درمیان واقع تھا ، سخت آفتیں نازل ہو رہی تھیں ۔ ایک طرف خوب پانی برسا تھا جس کی وجہ سے وہ ندی جسے خرگوش نے ایک روز پہلے آسانی سے پار کر لیا تھا اس وقت موجیں مار رہی تھی اور ارد گرد کا تمام علاقہ ایک بڑی جھیل بن گیا تھا ۔ دوسری طرف ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ پر حملہ کر دیا تھا اور خرگوش کے عین راستے میں لڑائی ہو رہی تھی ۔ ایک اور مقام پر ہیضہ پھوٹ پڑا تھا جس کی وجہ سے قرنطینے قایم ہو گئے تھے اور پھر مزید برآں یہ کہ ہر ہر قدم پر بھیڑیئے لومڑیاں اور الو تاک میں بیٹھے تھے ۔

خرگوش تھا ہوشیار ، اس نے وقت کا حساب اس طرح کیا تھا کہ تین گھنٹے اس کے پاس فاضل رہیں لیکن جب یکے بعد دیگرے مصیبتیں اور پریشانیاں سامنے آنے لگیں تو اس کا دل بیٹھ گیا وہ پورے تین پہر تک

دوڑتا رہا اور آدھی رات گزرنے تک کہیں نہیں ٹھہرا۔ اس کے پانوں لہولہان ہوگئے۔ کانٹوں نے اس کے اونی لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ اور خون بہنے لگا ——— پھر بھی منزل پر پہنچنے کے لئے طویل راستہ سامنے تھا اسے بار بار اپنے دوست کا خیال آتا تھا۔ جسے وہ بطور یرغمال بھیڑیئے کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ وہ بار بار سوچتا کہ اس وقت وہ دل میں کہہ رہا ہوگا کہ "تھوڑی دیر میں میرے دولہا بھائی واپس آکر مجھے قید سے چھڑا دیں گے"۔ . . . . . .

خرگوش کو یہ خیال آیا تو اس نے اور زور سے بھاگنا شروع کیا۔ پہاڑیاں، ندیاں اور دلدلیں اس کے لئے سب یکساں تھے۔ بعض اوقات اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کا دل بیٹھ جائے گا لیکن پھر وہ اپنی قوت ارادی سے کام لیتا اور پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے چھلانگیں اس خیال سے مارتا کہ ایسا نہ ہو دیر ہو جائے اور وہ اپنے مقصد میں ناکام رہ جائے۔ رونے اور افسوس کرنے کے لئے اس کے پاس وقت نہیں تھا اور اسے اگر کوئی خیال تھا تو بس یہی کہ اپنے دوست کو کسی طریقہ سے بھی بھیڑیئے کے منہ سے بچالے۔

صبح ہونے لگی۔ الّو اور چمگاڈر منہ چھپانے لگے۔ ہوا میں خنکی پیدا ہوگئی اور یکایک موت کی سی خاموشی چاروں طرف چھا گئی۔ لیکن خرگوش بھاگتا رہا۔ اس کے سر میں صرف ایک خیال تھا "کیا میں اپنے دوست کو

بچانے کے لئے وقت پر نہ پہونچ سکوں گا۔"

مشرق میں سرخی پھیل گئی۔ سب سے پہلے دور افق میں بادلوں کے کنارے جیسے کسی نے آتشیں جھالر سی لگا دی ہو۔ اس کے بعد سرخی پھیلنے لگی اور پھیلتے پھیلتے ایک بڑا شعلہ سا بن گئی گھاس پر شبنم چمکنے لگی۔ پرندے جاگ اٹھے۔ چیونٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں نے رینگنا شروع کر دیا اور دور ایک جانب سے ہلکا سا دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ لیکن خرگوش نے کسی چیز کی طرف نہ دیکھا۔ اس کا دل بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ "آہ۔ میں اپنے دوست کا قاتل ہوں ——— اپنے دوست کا قاتل"

آخر کار ایک پہاڑی! اس کے پیچھے دلدل اور اسی میں بھیڑیے کا بھٹ! ——— افسوس دیر ہو گئی۔ بہت دیر ہو گئی پیارے خرگوش۔

اس نے ایک مرتبہ پھر زور لگایا اور تیزی سے پہاڑی پر چڑھا لیکن اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ کیا وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے گا؟

بھیڑیے کا غار اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ دور کسی مقام پر چھ کا گھنٹہ بج رہا تھا اور گھنٹہ کی ضربیں اس کے دل پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھیں۔ آخری ضرب پر بھیڑیا اپنے غار سے نکلا۔ انگڑائی لی اور خوشی سے دُم ہلانے لگا۔ اس کے بعد وہ یرغمال کے پاس گیا۔ اسے اپنے پنجوں

میں پکڑا اور چیر پھاڑ کر بال بچوں میں تقسیم کرنے کیلئے اس کے بدن میں ناخن گڑو نے شروع کئے۔ بھیڑیئے کے بیوی بچے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے دانت نکالے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں آگیا۔ میں آگیا۔" خرگوش نے چلا کر کہا اور اپنے آپ کو پہاڑی سے نیچے دلدل میں گرا دیا۔

"شاباش!" بھیڑیئے نے کہا "آج معلوم ہوا کہ خرگوش کی بات کا اعتبار کرنا چاہیئے۔ اچھا میرے پیارے بچو! آؤ یہاں اس جھاڑی کے پیچھے بیٹھ جاؤ اور جب تک میں تیار رہوں یہیں انتظار کرتے رہو۔ بعد میں — ——— ہہ۔ ہیہ۔ ہہ۔ ہہ ہا ——— میں تمہیں ——— معاف کر دوں گا۔"

پیسہ اور کسان

دوستو! کیسی اچھی زندگی تھی، روس میں، جب یہاں نہ تو پادری اور زمیندار تھے اور نہ موٹے موٹے بڑے توند والے دوکانداروں کا دور دورہ تھا!

مگر یہ کیفیت زیادہ دن باقی نہ رہی کیونکہ شیطان نے دیکھا، کسان سکھ چین کی زندگی بسر کر رہا ہے، جور اچکوں کا نام و نشان نہیں اور ہر شخص فارغ البالی اور اطمینان سے چین کی بنسی بجاتا ہے۔

شیطان سوچ میں پڑ گیا "ان لوگوں کا سکون اور اطمینان کیونکر برباد کیا جائے؟" سات سال تک یونہی سوچتا رہا۔ اس عرصہ میں نہ تو اس نے کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔ آخر کار وہ "پادری" ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے مزید سات سال غور و خوض اور سوچ بچار میں گذار کر زمیندار بنایا۔ لیکن ابھی اسے اطمینان نہیں ہوا تھا اس لئے اس نے مزید سات سال غور کیا۔ اس مرتبہ اس کی "ایجاد" سوداگر تھا۔

شیطان کو اپنی "ایجادوں" پر بڑی مسرت ہوئی۔ وہ خوشی سے ناچنے لگا اور ایسے فلک شگاف قہقہے مارے جن کے سبب سے درختوں کے پتے گرنے لگے۔

اب اس نے پادری، زمیندار اور سوداگر کو کسان کے پاس بھیجا۔ بھولے کسان نے مار بھگانے کے بجائے انھیں خوش آمدید کہا، کھانا کھلایا، کپڑے پہنائے اور اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا۔ بس اسی وقت سے اس کی ساری مسرتیں کافور ہو گئیں اچھے دن خواب ہو گئے اور پادری، زمیندار اور سوداگر نے اس کی بوٹی بوٹی کرنی شروع کر دی۔ چاقو اور کانٹے سے نہیں بلکہ ایک ننھے سے تانبے کے پیسہ سے۔ چنانچہ اس وقت سے کسان ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں رہنے لگا کہ اسے کہاں سے اور کیونکر پیسہ مل سکتا ہے۔

ایک روز اس نے مادرِ ارض سے التجا کی "ماتری بھومی! بتا مجھے

پیسہ کہاں ملے گا؟"

زمین نے جواب دیا "تیری دولت مجھ میں ہے"

کسان نے پھاوڑا لے کر زمین کھودنی شروع کی۔ دن بھر کھودتا رہا۔ پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی اسی کام میں مصروف رہا۔ اس نے ایک بڑا سا گہرا گڑھا کھود ڈالا لیکن پیسہ نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ مٹی کھودی ریت نکلی اور ریت کھودنے پر پانی نکل آیا۔ اس نے پانی نکالنا شروع کیا۔ وہ بھی ختم ہو گیا تو کیچڑ نکل آئی۔ اس نے پھر کھودنا شروع کیا۔ پھاوڑے کی دھار کنٹھل ہو گئی لیکن پیسہ نہیں ملا۔ اب اس نے ہاتھوں سے مٹی ہٹانی شروع کی۔ کچھ دیر بعد پتھر نکل آیا جسے کھودنا اس کے لئے ناممکن تھا۔

کسان مادر ارض کے سینے پر لیٹ گیا اور اس نے دردناک لہجے میں زمین سے کہا "ماں! تو نے مجھ سے ایسا تلخ مذاق کیوں کیا؟"

یکایک اسکی نظر ایک پیسہ پر پڑی جو مٹی کے ایک چھوٹے سے ڈھیلے کے نیچے دبا ہوا تھا اس کا رنگ سبز تھا اور ادھر اُدھر چتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ زمین ہی کے مانند سخت معلوم ہوتا تھا۔

کسان نے جلدی سے اسے اٹھا لیا، چوما اور دل کے قریب اندر کی جیب میں چھپا کر رکھ لیا۔ اس کے بعد گڑھے سے باہر نکل کر روشنی میں آیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے وہ ایک برچ کے گھنے درخت کے نیچے پہنچا جس نے

سلام کرتے ہوئے پوچھا "میاں کسان! کیا بات ہے تمھارے کپڑوں میں مچھلی کے جال کی طرح سوراخ کیوں ہیں؟"

"مجھے پیسہ ملا ہے" کسان نے جواب دیا۔

"مگر یہ پیسہ تمھیں مہنگا پڑے گا" درخت نے سر ہلاتے ہوئے کہا

کسان آگے بڑھا تو ایک چڑیا ملی اور اس نے پوچھا "بھیا کسان! کیا بات ہے تمھارے بدن پر آبلے سے کیوں پڑے ہیں اور یہ زخم کیسے ہیں؟"

"مجھے ایک پیسہ ملا ہے"

چڑیا نے سیٹی دی اور یہ کہتی ہوئی پھر سے اڑ گئی "اچھا ہوا میں کسان نہ ہوئی"

کسان اور آگے بڑھا تو ایک ندی ملی جس میں سے ایک مچھلی نے سر نکال کر پوچھا "بھیا کسان! کیا بات ہے۔ تم سوکھی مچھلی کی طرح دُبلے پتلے کیوں نظر آتے ہو؟"

"آج مجھے ایک پیسہ ملا ہے" کسان نے جواب دیا۔

مچھلی نے کچھ کہے بغیر جلدی سے دم ہلائی اور غوطہ مار کر پانی کی تہ میں غائب ہوگئی۔ اسے ڈر تھا کہ وہ بھی کہیں کسان نہ ہو جائے۔

کسان گھر کی طرف چلتا رہا۔ راستے میں اسے ایک پادری ملا جس نے بڑے ادب سے سلام کیا اور برکت کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ پادری نے کسان کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر

سوچا کہ اس وقت کسان اپنے کام سے واپس آرہا ہے۔ ممکن ہے اس کے پاس کوئی پیسہ ہو اور میری جیب میں آجائے۔ اس نے متانت سے آگے بڑھ کر کسان سے کہا "منہ کھولو"

کسان نے منہ کھول دیا۔

"زبان نکالو"

کسان نے زبان نکالی۔ پادری نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تھوڑا سا روٹی کا چورا نکال کر اس کی زبان پر رکھ دیا اور باقی پھر کسی موقع پر کام میں لانے کے لئے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"مجھے پیسہ دو" پادری نے کہا

کسان نے جیب سے پیسہ نکالا اور پادری کو نذر کرکے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

"پیسہ ملا؟" بیوی نے سوال کیا۔

"ہاں"

"کہاں ہے؟"

"میں نے جنت میں گھر بنانے کے لئے پادری صاحب کو دیدیا ہے"

"شکر ہے" بیوی نے کہا "چلو کھانا کھائیں"

انھوں نے بسم اللہ کے بعد خدا سے برکت دینے کے لئے دعا مانگی اور کھانا کھانے بیٹھے ——— جنگلی جڑیں اور بارش کا پانی۔

کھانا ختم ہونے پر انھوں نے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور سونے کیلئے لیٹ رہے۔

اسی اثنا میں پادری صاحب یہ سوچتے ہوئے کہ اس پیسہ کو کس کام میں لانا چاہیئے، گھر پہنچے۔ سوچتے سوچتے انھوں نے کہا "ٹھیک ہے" اور گاؤں کے گھنٹہ نواز کو آواز دی۔

گھنٹہ نواز کے آنے پر پادری صاحب نے کہا "دیکھو میاں داڑھیال! آج روزہ کا دن ہے اور مجھے گوشت نہیں ملا۔ یہ پیسہ لو اور تمھارے پاس جو سوّر کا بچہ ہے نا، اسے بھون لاؤ۔ مگر دیکھو زبان سے ایک حرف نہ نکلے ورنہ تمہاری چندیا کی خیر نہ ہوگی۔ البتہ اگر ٹھیک ٹھیک کام کیا تو دم تمہیں بھی کھانے کو مل جائے گی۔"

گھنٹہ نواز پیسہ لے کر چل دیا۔ اس نے دل میں سوچا "واہ میاں شکم پُر! دم تم ہی کو مبارک رہے۔ میں اپنے سور کے بچے کو خوب موٹا کر کے صدر پادری کے ہاتھ بیچوں گا"۔ گاؤں پہونچ کر اس نے دوکاندار سے کہا "لو بھئی، ایک پیسہ۔ پادری صاحب کو اس کے بدلے میں ایک ننھا سور چاہیئے اور مجھے شہد کا چھتہ۔"

دوکاندار نے ہنس کر پیسہ جیب میں رکھ لیا اور دل میں کہا "اب مجھے کسان کے پاس جانا چاہیئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کسان کے دروازے پر تھا۔ اس نے جیب سے پیسہ نکال کر کسان کو دکھاتے ہوئے کہا "دیکھتا ہے یہ

پیسہ! اس کے بدلے میں ایک سور کا بچہ، ایک شہد کا چھتہ اور بھیڑیئے کی کھال دیتا ہے؟"

"اچھی بات ہے۔ میں کافی سستا چکا ہوں" کسان نے جواب دیا اور دوکاندار کو سور کا بچہ دے دیا جسے اس نے "نئیے" کی دعوت کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔

"کوئی بات نہیں" اس نے دل میں سوچا "میرا بیٹا جس وقت بڑا ہو جائے گا اس وقت اس سے بڑی اور شاندار دعوت کروں گا۔"

اس کے بعد اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور چھرا ساتھ لیا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا، اِدھر اُدھر سونگھتا ہوا شہد کے چھتے کی تلاش میں، لیکن بہت دور نکل جانے پر بھی شہد کا چھتہ نظر نہ آیا۔ اسے بھوک لگی تھی اس لئے روٹی کا ٹکڑا کھا کر اس نے ذرا آرام لیا اور پھر آگے بڑھا۔ آخر اسے شہد کی خوشبو معلوم ہوئی۔ وہ آگے بڑھا تو ایک بڑے درخت کے گرد شہد کی مکھیاں بھن بھناتی اور اڑتی ہوئی نظر آئیں لیکن سامنے ہی ایک بڑا سا ریچھ بھی کھڑا تھا اور قریب تھا کہ شہد کے چھتے پر ہاتھ مارے۔

"افوہ!" کسان نے کہا "کمبخت۔ میرے ہاتھ سے شہد چھین لینا چاہتا ہے"

اس نے جلدی سے چھرا نکالا اور ریچھ کی طرف جھپٹا۔ ریچھ نے بھی

اسے دیکھا اور بڑی شان سے کسان کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر میں کسان نے جھاڑیوں سے چند شاخیں توڑیں اپنے بائیں ہاتھ پر لپیٹیں اور سیدھے ہاتھ میں چھرا لئے ہوئے آگے بڑھا۔

ریچھ نے جھپٹ کر پنجہ مارا لیکن کسان نے الٹے ہاتھ پر روکتے ہوئے سیدھے ہاتھ سے چھرا مار کر دستے تک ریچھ کے سینے میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد اچھل کر پیچھے کی طرف ہٹا لیکن بدقسمتی سے ایک جھاڑی میں پھنس گیا۔ ریچھ نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا اور دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ مگر کسان کو ریچھ نے زور سے جھٹکا کر اس زور سے بھینچا کہ قریب تھا، کسان کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے۔ مگر کسان بھی دبنے والا نہیں تھا۔ اس نے بھی ریچھ کو زور سے دبایا۔ ریچھ کے دل پر زخم لگا تھا اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور وہ مر کر گر پڑا۔

کسان نے بیٹھ کر اپنی چوٹوں کو سہلاتے ہوئے کہا "خدا بیچارے کسانوں پر بھی مہربان ہے۔ اگر وہ ریچھ کو نہ بھیج دیتا تو مجھے بھیڑیئے کا شکار کرنے کے لئے جانا پڑتا اور معلوم نہیں کتنے عرصہ کے لئے لیکن میرا خیال ہے بھیڑیئے کی کھال کے بجائے ریچھ کی کھال لینے میں دوکاندار کو عذر نہ ہوگا۔"

اس نے جلدی جلدی ریچھ کی کھال اتاری۔ شہد کا چھتہ لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو کر دوکاندار کے پاس پہنچا لیکن اس نے ریچھ کی کھال دیکھ کر سر ہلایا اور کہا "بھیڑیئے کی کھال کے بجائے ریچھ کی کھال! کیا

دوگے اس کے بدلے میں؟"

"اور کیا دے سکتا ہوں؟" کسان نے کہا "اچھا میری برجیس لے لو۔"

"اچھی بات ہے"

کسان نے اپنی برجیس اُتار کر دوکاندار کو دیدی۔ اس کے بعد پیسہ لے کر زمیندار کے پاس محصول ادا کرنے کے لئے پہنچا کیونکہ گذشتہ سال اس کے مویشیوں نے ندی سے پانی پیا تھا جس کا محصول زمیندار کو ملنا چاہیئے تھا۔ ظاہر ہے کہ زمیندار صاحب کی دعا ہی سے تو پانی برسا اور ندی بہی تھی تاکہ کسان کے مویشی پانی پی سکیں۔

راستہ میں کسان نے پیسے پر نظر ڈالی جو بہت سے لوگوں کے ہاتھوں سے گذرنے کے باعث صاف اور چمکدار ہو چکا تھا۔ اب وہ پہلے کی طرح میلا کچیلا اور زنگ خوردہ نہیں تھا جیسا اس نے پادری صاحب کو نذر کیا تھا۔ کسان پہچان نہ سکا اور اس نے دل میں کہا "یہ پیسہ تو بہت خوب صورت ہے۔ میرے پرانے پیسے سے بہت زیادہ خوشنما۔ زمیندار صاحب کی خدمت میں پیش کرنے سے ان کے ہاتھ خراب نہ ہوں گے۔"

چلتے چلتے زمیندار صاحب کے دولت کدے پر پہونچا۔ اس نے ٹوپی سر سے اتاری اور پھاٹک پر کھڑا ہو گیا لیکن بدقسمتی سے زمیندار نی صاحبہ کھڑکی میں بیٹھی ہوئی ایک نوجوان فوجی افسر کو اپنے مکان کی طرف

آتے ہوئے دیکھ رہی تھیں ان کی نظر کسان پر پڑی جس کے بدن پر برجس نہیں تھی! ـــــــ

زمیندار نی صاحبہ نے زور سے چیخ ماری "اف۔ اف۔ میری۔ میری۔ میری جان نکلی!" اس کے بعد انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ قالین پر دھم سے گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں ـــــــ البتہ کبھی کبھی پاؤں چلا دیتی تھیں۔

ملازموں نے دوڑ کر زمیندار صاحب کو اطلاع دی کہ زمیندارنی صاحبہ نے کسان کو بغیر برجس پہنے ملاحظہ فرمایا اور اب ان کی جان کے لالے پڑے ہیں۔ زمیندار صاحب غصے سے آگ بگولا ہو کر دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ کسان کا پاؤں جوتے سے کچل کر رکھ دیں لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ وہ گذشتہ سال کا محصول ادا کرنے آیا ہے تو خاموش ہو گئے، نہایت خوش اخلاقی سے پیسہ لیا اور ایک رقعہ لکھ کر کسان کو دیا۔

"دیکھو بھئی۔ ذرا اسے تھانیدار صاحب کو لے جا کر دیدو" انھوں نے کہا۔

کسان نے سلام کیا اور رقعہ لے جا کر تھانیدار کو دے دیا۔ وہ جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر تھانیدار کے چہرے پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ تھانیدار گھونسہ تانے دانت کٹکٹا رہا تھا اور غصہ سے لال ہو کر کانپنے لگا تھا۔

"کیوں رے بدمعاش! ایسی جرأت" اس نے کہا "تجھے ایسی

جرأت ہوئی کیونکر؟ تو نے بیگم صاحبہ کی توہین کیسے کی؟"
کسان نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن بیکار۔ تھانیدار کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔
"انکار کرتا ہے کتے! بھیج دوں سائبیریا۔ کھال کھینچ لوں گا تیری مردود"
یوں ہی غصہ میں اول فول بکتے ہوئے کسان کی طرف بڑھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسان کو کچا ہی چبا جائے گا"
کسان کی بیوی نے جو شور سنا تو جلدی سے ایک مرغی لے کر دوڑتی ہوئی تھانیدار کے پاس پہنچی اور اس کے قدموں پر گر پڑی۔
"بابا" اس نے کہا" یہ مرغی لو لیکن خدا کے لئے میرے آدمی کو نہ مارو۔ نہیں تو میں اور میرے بچے بھوکے مر جائیں گے"
تھانیدار کے منہ سے غصے کے مارے بات نہیں نکلتی تھی۔
"فقط ایک مرغی! تجھے ایک مرغی پیش کرنے کی ہمت کیوں کر ہوئی۔ میں نے خدا اور شہنشاہ کی بیس سال خدمت کی ہے لیکن کبھی میری ایسی توہین نہیں ہوئی۔ جاؤ اور فوراً بکری لے کر آؤ ورنہ تمہارا جھونپڑا زمین کے برابر ہو گا"
اب کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ بکری لائی گئی۔ تھانیدار صاحب کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا اور کسان کو صرف کوڑے کھا کر جانے کی اجازت ملی۔ جس نے گھر پہنچتے ہی بیوی سے کہا میرے لئے نئی برجس بنا دو

کیوں کہ زمیندار صاحب کے باغ میں جا کر کام کرنا ہے۔

اس کے ذمہ کچھ قرضہ باقی تھا اور خوف تھا کہ ایسا نہ ہو زمیندارنی صاحبہ کی نظر پھر پڑ جائے۔

زمیندار اپنے باغ میں یہ سوچتا ہوا ٹہل رہا تھا کہ اب اس پیسے سے کیا کام لیا جائے۔ سوچتے سوچتے اس نے کسان کو بلایا۔

"دیکھو بھائی! تم نے کہا تھا نا کہ تمھیں جلانے کی لکڑی چاہیئے۔ باورچی خانے میں ایک بنڈلا پڑا ہوا ہے اسے لے لو لیکن اس کے بدلے میں تمھیں ایک پیغام لے جانا پڑے گا۔ میرے دوست سیفرن کوزمیش کو جانتے ہو نا؟ اسی کے پاس۔ یہاں سے صرف تقریباً سوا تین سو میل کے فاصلہ پر۔ ان سے بس اتنا کہنا کہ میں نے انھیں سلام کہا ہے اور خواہش ظاہر کی ہے کہ میرے پاس تشریف لائیں۔"

"اچھی بات ہے" کسان نے کہا۔ اور سیفرن کوزمیش کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا وہ چلتا رہا اور چلتے چلتے چلتے چلتے، آخر کار کوزمیش کے گھر پہنچ کر پیغام پہنچا دیا۔

کوزمیش فوراً ہی باہر نکل آیا کیوں کہ وہ اور زمیندار صاحب گہرے دوست تھے اور جوانی میں انھوں نے ساتھ رہ کر زار کی خدمت کی تھی۔ زمیندار کے گھر پر دونوں دوستوں نے پیسے پر شرط بدی۔ کوزمیش نے شرط جیت لی اور ہنستا گاتا اپنے گھر روانہ ہو گیا لیکن زمیندار کو غصہ آگیا اس نے حوالدار کو حکم دیا کہ کسانوں سے لگان

وصول کیا جائے۔

حوالدار نے کسان کے گھر پہنچ کر لگان کا مطالبہ کیا۔

"لگان کہاں سے لاؤں" کسان نے جواب دیا۔

"جہاں سے بھی ہو لیکن دینا پڑے گا نہیں تو تھانیدار صاحب تشریف لانے پر مجبور ہوں گے۔"

کسان نے سر کھجایا لیکن کیا کر سکتا تھا۔ لگان دینا ضروری تھا اس لئے کام کی تلاش میں نکلا لیکن اسے کہیں کام نہ ملا۔ آخر وہ کوزمیش کے پاس پہنچا جس نے زمیندار سے پیسہ جیتا تھا۔ اس نے کوزمیش سے ملازمت کی خواہش کی جس نے اپنے داروغہ کو طلب کیا۔

"گھر میں کوئی کام کرنے کو ہے؟"

"جی ہاں! داروغہ نے کہا" پشتہ ٹوٹ گیا ہے اور فوری مرمت کی ضرورت ہے لیکن کام خطرناک ہے کیونکہ مزدور ممکن ہے پانی کے زور سے بہ جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کام پن چکی کے بالکل نیچے ہی کرنا ہوگا۔ کسان اچھی طرح یہ کام کر سکتا ہے اور آپ جانتے ہیں کسان پانی تو پانی آگ میں بھی ایک پیسہ کے لئے کود پڑتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے"

داروغہ نے کسان سے جا کر کہا ——

"پن چکی کا پشتہ درست کرنے سے پہلے میرے لئے ایک بنگلہ بنانا

ہو گا کیونکہ اگر میں تمہاری مدد نہ کرتا تو تمہیں یہ کام نہ ملتا۔ تمہاری مزدوری ایک پیسہ ہو گی لیکن پہلے بنگلہ بنا دو کیونکہ ہماری موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کیا جانے تم ڈوب ہی جاؤ۔"

"اچھی بات ہے" کسان نے کہا

اس نے کلہاڑی لی۔ چند درخت کاٹے۔ داروغہ کے گھر گھسیٹتا ہوا لے گیا اور اس کے لئے ایک دیہاتی بنگلہ بنا دیا۔ داروغہ نے آکر دیکھا تو بہت پسند کیا۔

"بہت خوب!" اس نے کہا اور کسان کے ہاتھ میں ایک گلاس سونگھنے کے لئے دیا۔

گلاس میں دو روز ہوئے داروغہ صاحب نے ووڈکا (دیسی شراب) پی تھی!

"شکریہ" کسان نے کہا "آپنے بڑی عنایت فرمائی"

اس کے بعد کسان پشتہ کی مرمت کے لئے گیا۔ پانی اس طرح ابل رہا تھا جیسے کیتلی میں کھول رہا ہو لیکن آخرکار کسان نے کام پورا کر لیا اب وہ نکلنے والا ہی تھا کہ ایک زور کا ریلا آیا جو اسے پن چکی کے نیچے بہا لے گیا۔

"گیا!" داروغہ نے خیال کیا "پیسہ اب میری جیب میں رہے گا۔"

لیکن کسان غوطہ لگا کر سلامتی سے باہر نکل آیا اور داروغہ صاحب کو

مجبوراً پیسہ دینا پڑا۔ کسان پیسہ لئے ہوئے یہ سوچتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہوا ــــــ

"خدا کا شکر ہے۔ اب زمیندار صاحب ایک ہفتہ تک محصول کا مطالبہ نہ کرینگے۔ اس عرصہ میں اپنے لئے کچھ کام کروں گا اور سال بھر کام کرنے کے لئے کافی آرام لے لوں گا۔"

یہاں سے وہ سیدھا زمیندار صاحب کی ڈیوڑھی پر پہنچا لیکن ہر شخص سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھا اور کھڑکی میں دو شمعیں جل رہی تھیں۔

"کیا بات ہے" کسان نے پوچھا۔

"زمیندار صاحب کا انتقال ہو گیا ہے"

کسان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ "خدا بخشے" اس نے دل میں کہا "زمیندار صاحب بڑے رحم دل آدمی تھے"

اس نے زمیندارنی صاحبہ سے درخواست کی کہ وہ پیسہ لے لیں لیکن وہ کسان سے مل نہیں سکتی تھیں زمیندار صاحب کی موت سے ان کا دل ٹوٹ گیا تھا اور نوجوان فوجی افسران کا غم غلط کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس لئے کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ تھی۔

کسان گھر چلا گیا اور کوٹھری میں گڑھا کھود کر اس نے پیسہ وہیں چھپا دیا تاکہ کھو نہ جائے۔

چند روز بعد گھر جاتے ہوئے اس نے کسی کے سسکیاں لینے کی

آواز سنی، اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک چھوٹی سی لڑکی روتی ہوئی نظر آئی۔

"بچی! روکیوں رہی ہو؟" اس نے سوال کیا۔

بچی نے بتایا کہ اس کا بھائی بہت بیمار ہے۔ پادری صاحب کو بلانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ تشریف لاکر تیل میں انگلیاں ڈبوئیں اور اس کے ہونٹوں پر لگا دیں لیکن پادری صاحب نذرانہ لئے بغیر آنے کے لئے تیار نہیں اور دینے کے لئے اس کے گھر میں کوئی چیز نہیں۔"

کسان نے بچی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر دلاسا دیا اور کہا ——

"رو نہیں پیاری بچی! میں پادری صاحب کو بلا دوں گا۔"

بچی نے شکریہ ادا کیا اور پادری کے گھر گئی۔ کسان نے بھی گھر جاکر پیسہ نکالا اور روشنی میں دیکھا۔ نظر پڑتے ہی اس نے مٹھی بھینچ لی۔ اس نے اپنا پیسہ پہچان لیا تھا —— یہ وہی پیسہ تھا جسے اس نے اتنی محنت اور مشقت کرکے مادرِ ارض کے سینے سے نکالا تھا۔ زمین میں دبے رہنے سے اب وہ پھر پہلے کی طرح زنگ آلود اور سبز ہو گیا تھا۔ . .

. . . کسان کی آنکھوں سے رنج اور غصہ کے مارے آنسو نکل آئے کیونکہ اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اسکی ساری محنت اور کوشش فضول برباد ہوئی تھی۔ اسے کچھ بھی نہیں ملا تھا سوا اس پیسہ کے جو خود اسی کا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب پھر یہ پادری کے پاس جائے گا دنیا میں

گھومتا پھرے گا اور جس شخص کے پاس ہو گا وہ میرے سر پر سوار ہو گا لیکن اگر کبھی اتفاق سے میری جھونپڑی میں واپس آیا بھی تو پھر یا تو زمیندار کے پاس چلا جائے گا یا پادری کے پاس۔

× × ×

"میں اپنا پیسہ اب کسی کو نہ دوں گا" کسان نے دل میں فیصلہ کیا۔ وہ ہمسایہ کی جھونپڑی میں گیا اور دیکھا کہ بیمار کے ہونٹوں پر تیل ملا جا چکا ہے اور کمرے کے بیچ میں پادری کھڑا ہے جس نے مختلف چیزیں —— روٹی، انڈے، تاگا —— وغیرہ ایک ٹوکری میں جمع کر لی ہیں اور اب دیکھ رہا ہے کہ اور کیا چیزیں لی جا سکتی ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اب کوئی چیز نہیں مل سکتی تو کسان سے مخاطب ہو کر بولا ——

"پیسہ لاؤ"

"بابا! ہم غریب راسخ العقیدہ لوگوں کو لوٹو نہیں"۔

"بدمعاش!" پادری نے کہا "تجھے اپنے روحانی باپ سے ایسی بات کہنے کی ہمت کیونکر ہوئی"

"بابا! سچ کہتا ہوں دل سے! —— راسخ العقیدہ لوگوں کو اس طرح لوٹو نہیں۔ ذرا تو دل میں سوچو کہ تم کیا کر رہے ہو"!

پادری نے نیچے کا یا لنا اٹھا لیا اور کسان کی طرف دوڑ کر چلایا —— "دے میرا پیسہ! بس میں تیری فضول باتیں سن چکا!"

کسان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ـــــ
"نہیں بابا۔ اپنا راستہ لو۔ خدا تمھاری مدد کرے۔ پیسہ نہیں دوں گا۔ تمھارے گناہ میں مدد کرنا بھی گناہ ہے"۔
پادری صاحب نے اپنی عبا کا دامن سمیٹا اور زمیندار صاحب کی ڈیوڑھی پر دوڑتے ہوئے پہنچ کر فریاد کی۔ زمیندارنی صاحبہ اور نوجوان افسر باہر نکل آئے۔ افسر انتہا سے زیادہ مسرور تھا کیونکہ اس نے ابھی ابھی زمیندارنی صاحبہ سے شادی کی درخواست کی تھی جسے زمیندارنی صاحبہ نے منظور فرما لیا تھا۔
"کیا بات ہے بابا! کیا بات ہے!" اس نے مسکراتے ہوئے پادری سے پوچھا"۔ بیوی نے مرمت کی ہے کیا؟"
"میری بیوی! یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں۔ اسے ٹھیک کیا جا سکتا تھا لیکن بات یہ ہے کہ کسان نے بغاوت کر دی ہے!"
اس کے بعد اس نے ساری داستان کہہ سنائی۔
"خوب! تم بھی عجیب آدمی ہو پادری صاحب! آپ کے بال تو لمبے ہیں لیکن سر چھوٹا ہے! ایک معمولی کسان کو بھی سنبھال نہ سکے"۔
نئے زمیندار نے مصاحب سے کہا" جاؤ کسان کو پکڑ لاؤ۔ میں اس سے بات بھی نہ کروں گا۔ ایک نظر کافی ہے۔ دیکھنا کیسا درست ہو جاتا ہے۔ چوں بھی نہیں کرے گا"۔
مصاحب کسان کو لانے کیلئے روانہ ہو گیا۔ زمیندار مونچھوں پہ تاؤ د

دیتا ہوا کسان کے آنے کا انتظار کرنے لگا تاکہ زمیندارنی اور پادری کے سامنے اپنی بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کرے۔
ذرا دیر میں مصاحب اور کسان سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔
"اِدھر لاؤ اسے!" زمیندار نے کہا "ذرا میں بھی تو ان کی صورت دیکھوں"۔ اس کے بعد اس نے کبھی کسان اور کبھی زمیندارنی کی طرف دیکھنا شروع کیا۔
کسان سامنے لایا گیا۔ نیاز زمیندار کمرے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ الٹا ہاتھ ٹھوڑی سے لگائے ہوئے اور سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں، سینہ تنا ہوا اور آنکھوں سے شعلے نکلتے ہوئے۔ کسان نے اِسکی طرف دیکھا اور کانپ اٹھا۔
"بابا! آپ بیمار معلوم ہوتے ہیں" کسان نے کہا "ذرا ٹھہریئے۔ میں ابھی آپ کے لیے پانی لاتا ہوں"۔
جواب کا انتظار کیئے بغیر کسان دوڑا ہوا صحن میں گیا، اپنی میلی کچیلی ٹوپی میں ٹب سے پانی بھر کر زمیندار کے پاس لایا۔
"یہ لو بابا۔ یہ پانی پی لو"۔
لیکن زمیندار نے آنکھیں جھپکانا شروع کر دیں۔ اسے زمیندارنی اور پادری کے سامنے خفت ہو رہی تھی زمیندارنی کسان کی طرف جھپٹی اور قریب تھا کہ اس کی داڑھی کو کھسوٹ ڈالے۔
"زمیندار کے لیے اپنی گندی غلیظ ٹوپی میں پانی لانے کی جرأت

کیسے ہوئی تجھے؟" اس نے کہا

کسان نے کھڑکی کے باہر سارا پانی انڈیل کر زمیندار سے پوچھا ــــــــ

"آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

زمیندار نے اس عرصہ میں حواس درست کر لئے تھے آرام کرسی پر بیٹھکر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا " دوست کیا تم بغاوت کر رہے ہو؟"

"بغاوت؟ پادری کے لئے غریبوں کو لوٹنا گناہ ہے اور گناہ کے لئے ہمت دلانا بھی گناہ ہے۔ بس" کسان نے جواب دیا

" مگر بھئی اس سے مطلب کیا ہے؟ پادری صاحب تمھارے روحانی باپ ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمھارے بجائے خود انھیں اپنی محنت اور مشقت سے روزی کمانا پڑے؟ میرا خیال ہے اس کے بعد تم کہوگے کہ بجائے اس کے کہ تم میرے لئے کام کرو مجھے بھی خود ہی کام کرنا ہوگا!"

" اگرچہ آپ زمیندار ہیں لیکن بیوقوف نہیں" کسان نے کہا "آپ نے صحیح سمجھا۔ میں تمھیں بھی کچھ نہ دوں گا۔"

زمیندار اس طرح اچھل پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے جلدی سے کسان کی طرف جھپٹکر اس سے پیسہ طلب کیا لیکن بیکار کیونکہ کسان نے دینے سے صاف انکار کر دیا۔

اس کے بعد کسان تو گھر چلا گیا لیکن زمیندار، زمیندارنی اور پادری سوچتے رہے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ خوب غور و خوض کرنے کے بعد انھوں نے تصفیہ لیا کہ تھانیدار کے پاس یہ اطلاع بھیجی جائے کہ کسان نے بغاوت کر دی ہے — پیسہ نہیں دیتا لہٰذا تھانیدار صاحب کو آ کر انتظام کرنا چاہیئے۔

تھانیدار نے خط پڑھا تو اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

"اف خدا" اس نے دل میں کہا "میرا آخری وقت آ گیا۔ کسان مجھے مار ڈالے گا"

لیکن وہ سرکاری ملازم تھا اور جانا اس کا فرض۔ اس نے اپنی پیٹی میں چار پستول لگائے تیز ترین گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کسان کی جھونپڑی سے سو قدم رہ جانے پر اس نے بڑی تیزی سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا اور کسان کے جھونپڑے کے سامنے سے آندھی کی طرح گذر گیا لیکن یہ چلاتا ہوا کہ ————

" دیدے پیسہ دیدے! بدمعاش۔ پاجی۔ نہ دے گا تو تیری تکا بوٹی کر ڈالوں گا صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا اور نیست و نابود کر دوں گا۔"

جھونپڑی میں بڑی گڑبڑ ہوئی۔ کسان گھر میں نہیں تھا باہر تھانیدار کے اس قدر شور مچانے سے گائے نے چلانا، سوروں نے چیخنا اور بھیڑوں نے ممیانا شروع کر دیا۔ کتے ادھر اُدھر بھاگنے لگے اور

تھانیدار کے پیچھے بھونکتے ہوئے دوڑے۔

"آج میری خیریت نہیں" تھانیدار نے کہا۔

اس نے لگام چھوڑ دی۔ گھوڑے کے بال پکڑ لئے۔ آنکھیں بند کر لیں تاکہ موت نظر نہ آئے۔ گھوڑے نے بھاگتے بھاگتے ایک پتھر سے ٹھوکر کھائی۔ تھانیدار منہ کے بل گر پڑا جہاں پڑے پڑے ہی اس نے سوچنا شروع کیا "میرا آخری وقت آگیا ہے۔ خدا میری مغفرت کرے۔"

کتے دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ چاروں طرف پھر کر سونگھا اور دم ہلاتے ہوئے گھر واپس گئے۔ وہ چپ چاپ موت کا انتظار کرتا زمین پر پڑا رہا۔ دیر تک انتظار کرتے کرتے جب موت نہیں آئی تو اس نے بڑی احتیاط سے ادھر ادھر دیکھ کر سر اٹھایا اس کا گھوڑا پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس کی ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں۔

"اف میرے خدا!" تھانیدار نے سوچا "اب کیا کرونگا؟ کسان مجھے پکڑ کر قید کر دے گا"

خوف سے اس کی جان نکلی جا رہی تھی لیکن اس نے ہمت باندھی اور وہاں سے تیزی سے بھاگا دوڑتے بھاگتے ٹھوکریں کھاتے اور گرتے ہوئے، کبھی جھاڑیوں میں پھنستے اور کبھی کیچڑ میں گرفتار ہوتے آخر کار تھانہ پر پہنچ گیا لیکن کیچڑ میں لت پت ہوکر اور چوٹیں کھا کر۔ اس کی حالت وحشیوں کی سی ہو چکی تھی۔ تھانہ پہنچتے ہی اس نے گورنر کو

بھیجنے کے لئے رپورٹ لکھنی شروع کی جس میں تحریر تھا کہ کسان نے بغاوت کر دی ہے اور پیسہ دینے سے انکار کرتا ہے اور یہ کہ وہ خود یعنے تھانیدار اس کے پاس گیا تھا لیکن کسان نے اس کی ایک بات نہ سنی اور جواب میں اس طرح چلایا جیسے پورا مویشیوں کا گلہ ایک ہی وقت میں چیخنا شروع کر دے۔ اس کے بعد اس نے ایک نئی نسل کے عجیب و غریب کتوں کا پورا جھنڈ اس پر چھوڑ دیا جو خاص اسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتے دیکھنے میں بڑے ہیبتناک ہیں ــــــ بچھڑوں کے برابر قد میں ہیں ــــــ اور ہوا کی طرح دوڑتے ہیں۔ اس کے بعد کسان نے بیل کے برابر بڑے بڑے پتھروں کی بارش کی جن میں سے ایک کی ضرب سے اس کے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

گورنر نے رپورٹ پڑھی اور کہا ــــــ

"تھانیدار کو انعام ملنا چاہیئے ــــــ"

اس کے بعد اس نے سپاہیوں کے ایک دستہ کو کسان سے لڑنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا۔ دوسرے روز صبح تڑکے گورنر تھانیدار اور سپاہیوں کا دستہ کسان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور شام کو اس جنگل میں پہنچے جہاں کسان رہتا تھا۔ سپاہیوں نے چھولداریاں تانیں سونے کے لئے لیٹ گئے اور سرکاری افسر گورنر کے خیمہ میں اس امر پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کسان کو پکڑا کس طریقہ سے جائے۔ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ راست

حملہ مناسب نہیں بلکہ خطرناک ہے اس لئے انھیں صبح کا انتظار کرنا چاہیے تاکہ جس وقت کسان جنگل میں چشمہ کی طرف پانی لینے آئے تو اسے اچانک گھیر کر گرفتار کرلیا جائے۔

دوسرے دن صبح کو انھوں نے چشمہ چاروں طرف سے گھیر لیا اور اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں چھپ رہے تاکہ کسان کی نظر نہ پڑے۔ جیسے ہی کسان پانی کے کنارے پہنچا سپاہیوں نے بگل اور نقارے بجاتے ہوئے چاروں طرف سے چیختا اور چلانا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" آنکھیں ملتے ہوئے کسان نے دل میں سوچا لیکن تھانیدار نے بڑی ہمت اور دلیری سے کام لے کر گولی چلائی اور بڑے جوش و خروش سے دیوانہ وار تلوار ہلاتا اور شور مچاتا ہوا آگے بڑھا ——"

"شاباش بہادرو! ہمت سے کام لو۔ ہم اپنے باپ زار اور مذہب کے لئے جان دیدیں گے"۔

اس کے بعد اس نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر آواز دی ——

"آؤ۔ میرے پیچھے آؤ۔ ہرّا! ہرّا!!"

"ہرّا۔ ہرّا۔ ہرّا" سپاہیوں نے نعرہ لگا کر کسان پر حملہ کیا۔ اس نے بچنے کی کوشش کی لیکن بیکار۔ ان لوگوں نے ایک منٹ میں اسے پکڑ کر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور گورنر کے پاس لے گئے لیکن اس عرصہ میں اسے کئی بندوقیں توڑنے اور سنگینیں چباڈالنے کا موقع مل گیا۔

"پیسہ دو" گورنر نے ڈانٹ کر کہا۔

"نہیں دوں گا" کسان نے جواب دیا۔

اسے قید خانے میں ڈال کر مقدمہ چلایا گیا اور بغاوت اور عدولِ حکمی کا مجرم قرار دے کر حکم دیا گیا کہ پچیس ہزار کوڑے مار کر اس کے گھر بھیجدیا جائے۔ مزید یہ کہ ایک دستہ سپاہیوں کا اس کے گھر پر اس وقت تک متعین رہے جب تک کسان پیسہ نہ دے۔ ان سپاہیوں کا کھانا کسان کے ذمہ ہوگا۔ مزید حکم یہ دیا گیا کہ جن بندوقوں کو توڑا اور جن سنگینوں کو چبا ڈالا تھا ان کی قیمت ادا کرے نیز تھانیدار کی وردی خراب ہونے کی تلافی کرے۔

سزا دے کر کسان کو اس کے گھر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد سپاہی پہنچے اور کھانا کھانے بیٹھے۔

کسان نے ان کے لئے ایک بھیڑ ذبح کی۔ انھوں نے کھا کر کہا "اور"

اس نے ایک سور پیش کیا اور انھوں نے نعرہ لگایا "اور۔ اور" اس نے ایک گائے ذبح کی۔

انھوں نے کہا "ارے ہمیں بھوک لگی ہے۔ پہلے سے بھی زیادہ"

"اگر یہی تماشہ ہوتا رہا" کسان نے دل میں سوچا "تو آخر میں وہ مجھے بھی کھا جائیں گے"

"ذرا ٹھہرو" اس نے سپاہیوں سے کہا "میں ابھی تمہارے لئے شہد کے چھتے سے شہد نکال کر لاتا ہوں"

"بہت خوب" سپاہیوں نے کہا

کسان نے اپنی ٹوپی لی اور جھونپڑے سے روانہ ہوا۔

"لعنتی بدمعاشو! آپ شہد کے بجائے گھانس کھاؤ" اس نے دل میں سوچا۔

"میں تو کچھ نہیں کھلاؤں گا۔

یہ سوچ کر وہ گھنے جنگل میں دور چلا گیا۔ تین راتیں اور تین دن چلنے کے بعد شام کو ایسی جگہ پہنچا جہاں اس سے پہلے کسی روسی نے قدم نہیں رکھا تھا۔ وہ ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر دیکھا پاؤں سے پٹی کھولی اور پیسہ باہر نکالا ——— وہی پیسہ جس کے لئے اسے اتنی مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔ اس نے پیسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ———

"میرے پیسے! تیرے لئے میں نے بڑے دُکھ سہے۔ جب سے میں نے تجھے مادر ارض کے سینے سے نکالا شکاری پرندے مجھ پر جھپٹے مارتے رہے۔ میں جانتا ہوں تیرے بغیر میں مغموم رہوں گا لیکن وہ لوگ چاہتے ہیں میری بوٹی بوٹی ہی کیوں نہ کر ڈالیں لیکن میں تجھے اس لئے ان کے حوالہ نہ کروں گا کہ انکے پاس جاکر ان کے کام آئے۔

اس نے ایک گڑھا کھود کر پیسہ اس میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد پیسہ کی قبر پر لیٹ کر نہایت رنج و الم کی حالت میں سوچنا شروع کیا۔

"اگر تمہارے پاس پیسہ ہو تو کفن میں منہ لپیٹ کر لیٹ رہو اور اگر تمہارے پاس پیسہ ہو تو دریا میں ڈوب مرو"

کسان نے ٹھنڈی سانس لی اور زمین پر سجدے میں گر کر پھر دعا مانگی ——

"مادر ارض! بتا۔ میں نہیں جانتا مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مجھے ایسا راستہ بتا کہ میرے رنج و الم دور ہو جائیں —— اور مسرت کی مسکراتی ہوئی شعاعیں میری زندگی کو بھی روشن اور منور بنا دیں!۔

اس کے بعد کسان وہیں لیٹے لیٹے سو گیا۔

مستقبل ماضی سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ دوسرے روز صبح کو کسان بیدار ہوا۔ درخت کی ایک بڑی سی شاخ کاٹی پتھر سے تراش کر ایک پھاوڑا بنایا اس کے بعد ایک جھونپڑا تیار کیا اور گھاس پھونس چھا کر اسے درست کر لیا۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کو پتھر سے بند کیا اور وہیں رہنے لگا۔

وقت گذرتا رہا۔ اس نے اپنے ارد گرد مکان کو وسیع کیا اور

بہت سا سامان جمع کر لیا۔ کھیت اور مرغزار بنائے اور ضروریات زندگی فراہم کیں۔ اب وہ اطمینان سے خدا کا شکر ادا کرتا اور آرام سے رہتا تھا۔

بات یہ ہے دوستو! اگر ہمارے آدمی ذرا عقل سے کام لیں اور ایک مرتبہ کھڑے ہو جائیں اپنی اور اپنی چیزوں کی حفاظت کے لئے تو ہر شخص فارغ البالی اور آرام سے رہے۔ نہ اسے گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے اور نہ جنگل میں جا کر چھپنا۔ بس ذرا سوچنے کی بات ہے!!

مطبوعہ

مطبع مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

اردو محل

حیدرآباد دکن

اردو محل مصنفوں کا جدید ترین ادارہ ہے۔ آپ بھی اپنی کتابیں ہم سے چھپوائیے مخطوطات اور مسودے شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے۔

مطبوعات

گاندھی جناح مراسلت:۔ جس میں لاہور و بمبئی کی قرارداد اور راجہ جی فارمولا شامل ہے۔

زرد چہرے:۔ ابراہیم جلیس بی اے (علیگ) حیرت انگیز نفسیاتی مشاہدات میٹھا میٹھا طنز اور انوکھی تشبیہیں۔ "یہ کتاب غالباً حقیقت نگاری کی پہلی کوشش ہے .... مجھے ان کے الفاظ کی روح عزیز ہے"۔

قاضی محمد عبد الغفار

روسی ظرافت:۔ مسلم ضیائی، ایم اے نے روس کے بہترین ظریفوں اور طنز نگاروں کے افسانے اور مضامین سلیس اور شگفتہ زبان میں ترجمہ کئے ہیں۔ ان مصنفوں نے عوام کے دلوں سے "زاریت" کا خوف دور کر دیا، قید خانے آباد کئے اور موت کو خوش آمدید کہا۔

سریلے بول:۔ اردو میں مثالی شاعری کے بانی عظمت اللہ خاں مرحوم کی دلکش نظمیں مع اضافہ۔ اعلیٰ تخیل شیریں زبان اور ترنم بحریں

زیر طبع

"زہر جو روح میں ہے":- کرشن چندر۔ ہوائی قلعے شکست ہو گئے۔ طلسم خیال کے نظارے باقی نہ رہے۔ تارے ٹوٹ گئے اور نغمے مر چکے تو زندہ لاشوں کی روحوں کا زہر کرشن چندر نے اپنی دلکش زبان اور انوکھے اسلوب میں پیش کیا اسے پڑھیے اور اپنی زبان پر ناز کیجیے۔

عملی زندگی:- ای۔ آر۔ تھامسن کی نہایت مفید کتاب ہیومن مشین کا ترجمہ مع اضافہ جس کے ساتھ ڈیل کارنیگی اور دیگر ماہرین نفسیات کے خیالات ہر مضمون سے متعلق شامل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب نوجوانوں کیلئے شمع راہ ثابت ہو گی مترجمہ مسلم ضیائی

گھٹائیں:- ہاجرہ مسرور۔ یہ افسانے پڑھیئے اور نفسیاتی مطالعہ خیالات کی جدت، زبان کی دلکشی اور اچھوتے اسلوب نگارش کا لطف اٹھائیے۔

چور بازار:- ابراہیم جلیس "امراؤ جان ادا" بگڑے ہوئے لکھنؤ کا مرثیہ ہے تو جلیس کا یہ ناول بنتے ہوئے ہندستان کے دھڑکتے ہوئے دل کا نعرہ۔ تلخ ترین طنز اور کرشن چندر کا مقدمہ۔

تنقید کے اصول:- عبدالقیوم باقی استاد جامعہ عثمانیہ: تنقید ادب کی کسوٹی ہے اور یہ کتاب اصول تنقید پر معیاری کتاب ہے۔

اردو محل۔ حیدرآباد۔ دکن